آبِ حیات کا دوسرا دور

تمہید

دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس فصل میں زبان کے حسن قدرتی کے لیے موسم بہار ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ مضامین کے پھول گلشن فصاحت میں اپنے قدرتی جوبن دکھاتے ہیں۔ حسن قدرتی کیا شے ہے۔ ایک لطف خداداد ہے۔ جس میں بناو سنگار کا نام بھی آجائے تو تکلف کا داغ سمجھ کر سات سات پانی سے دھوتے ہیں۔ انکا گداز نیچر کی گلکاری ہے۔ صنعت کی دستکاری یہاں آکر قلم لگائے تو ہاتھ کاٹے جائیں۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ باکمال بھی ایک ہی تمہید کی تمہید ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دریائے محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مگر اس خوبی کا وصف کسی زبان سے نہیں ہوتا کہ جو کچھ دل میں ہوتا ہے جوں کا توں ادا کرتے ہیں۔ خیالی رنگوں کے طوطے مینا نہیں بناتے۔ ہاں طوطی و بلبل کی طرح صاف زبان اور قدرتی الحان لائے ہیں۔ انہوں نے اپنے نغموں میں ٹھمری۔ پیچ۔ پلٹی۔ تان۔ کسی گٹکری سے لے کر نہیں ڈالی۔ تم دیکھنا بے تکلف اور سیدھی سادی باتوں سے جو کچھ دل میں آئے گا ایسا بے ساختہ کہہ دینگے۔ کہ سامنے تصویر کھینچ کر رکھ دینگے۔ اور جب تک سننے والے سنینگے کلیجے پکڑ کر رہ جائینگے۔ اس کا سبب کیا۔ وہی بے ساختہ پن۔ جس کے سادہ پن پر ہزار بانکپن قربان ہوتے ہیں

ع سے حسن وہی جس میں بے ساختہ پن نکلے — ان کی اصلاح نے نسبت سے لفظ۔ ولی کے عہد کے لفظ ڈالے مگر پھر بھی بعد ہے۔

اور گھیرے کھیرے - اور مرتے ہیئے بجائے مرتا ہے - اور دوانہ بجائے
دیوانہ - اور بیان اور فقط - جان - کا لفظ - بجائے معشوق موجود ہے متاخرین
اس کی جگہ جان جان یا جانا - یا - پیارے یار دوست - یا دلبر وغیرہ وغیرہ
بولنے لگے - مگر - مومن - دو دوم ہی نرما - بجھ رہا - اور بل گیا - یعنے جل گیا
یعنے صد تخ گیا - اور من - بجائے دل - بھی ہے ؞

سید انشا ایک جگہ بعض الفاظ مذکورہ کا ذکر کرتے لکھتے ہیں کہ اس عہد کی
گفتگو میں اس قسم کے الفاظ شرفا بولتے تھے - پروتھا بجائے پرے تھا - اور
وجہ اسباب - اب تے - یا متوقف - پاؤ - یعنے طرف - اور - بھیجک - یعنے
حیران - (یہ لفظ ہم ... نے بھی نا سنے ہیں) اور تکون - بجائے - کو دیا
اپنے تئیں کو ہم اور جانے وا - بجائے جانے والا - اور دیا نتا ہے - بجائے
دیتا ہے - اور جانتا ہے - بجائے جاتا ہے

شاہ حاتم

دستور دنیا کا یہ ہے کہ بیٹا باپ کے نام سے اور شاگرد اپنے نامی استاد کے
نشان سے روشناس ہوتا ہے - مگر اس **حاتم** کو نصیبے کا بھی حاتم کہنا چاہیے
جو اس نام سے نشان دیا جاتا ہے کہ وہ استاد **سودا** کا تھا - خوشا نصیب
اس باپ کے جس کی نسل کا ل سے وہ فرزند پیدا ہو کہ خانوادہ کمال کیلئے باعث فخر تھا -
کہا جاتا ہے ان کا تخلص حاتم اور شیخ ظہور الدین نام تھا - والد کا نام فتح الدین تھا
خود کہا کرتے تھے - کہ ظہور میری تولد کی تاریخ ہے - رہنے والے خاص
شاہجہان آباد کے تھے - یہ معلوم نہیں کہ بزرگ ان کے کہاں سے آئے تھے

کی تذکرہ

کسی تذکرہ سے ان کی علمیت تحصیلی کا حال معلوم نہیں ہوتا ہے۔ نہ کچھ ان کے کلام سے
ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس قدر استعداد ضرور رکھتے تھے۔ کہ ان کی انشا پردازی میں خلل
نہیں آنے دیتی تھی۔ اور یہ بات اس عہد کے شریف خاندان کے لئے عام تھا۔ اصل
حال یہ ہے۔ کہ بعد عالمگیر کے جب اولاد میں کشاکشی ہوئی۔ اور سلطنت تباہ ہوگئی تو
ہوتے ہوتے فاقہ امرا اور عہدہ دار تھے۔ روز کے فسادوں سے دل شکستہ ہوگئے۔ خصوصاً
جبکہ ادھر مرہٹے ملنے۔ ادھر سکھوں نے زور پکڑا۔ قیام سلطنت کی طرف سے لوگ نا امید
معلوم ہوئے تو اکثروں نے نوکری چھوڑ کر سب نے علم کے مختلف حرفے اور پیشے
اختیار کر لئے۔ اور بعض لوگ باوجودیکہ صاحب علم تھے مگر دنیا سے دل برداشتہ ہو کر چھوٹی بڑی
شاہ حاتم پہلے سپاہی پیشہ تھے۔ عمدۃ الملک امیر خان کی مصاحبت میں عزت اور
فارغ البالی بلکہ عیش و عشرت سے بسر کرتے تھے۔ اور چونکہ محمد شاہی دور تھا۔ اسلئے
آئین زمانہ کے بموجب اس وقت کے نوجوانوں کے شوق تھے۔ سب پورے کرتے تھے
دلی میں قدم شریف کے پاس میر باقر علی شاہ کا تکیہ ایسے رند مشرب لوگوں کا ٹھکانا تھا
یہ بھی وہاں جایا کرتے تھے۔ چنانچہ فقیر کی صحبت نے اثر کیا کہ انہی کے مرید ہوگئے رفتہ
رفتہ سب گناہوں سے توبہ کی بلکہ زمانہ کی گردش نے دنیا کے تعلقات سے بھی توبہ
کروا دی۔ توکل پر گذارہ کیا۔ اور فقط ایک رومال اور ایک پتلی سی چھڑی جو کہ ہندوستان
کے فقرائے آزاد منش کا تمغہ ہے۔ وہ پاس رہ گئی۔ شاہ موصوف باوجودیکہ نہایت
مہذب اور متین تھے۔ اور عمر بھی سن رسیدہ ہوگئے تھے مگر بہت خوش مزاج اور نہایت
خلیق اور ظریف تھے۔ فقیری اختیار کر لی تھی مگر بانکوں کی طرح دستار سر پر ترچھی
باندھتے تھے راج گھاٹ کے رستہ میں قلعہ کے نیچے شاہ تسلیم کا تکیہ تھا وہاں جمع
ہوتے [illegible] اگرچہ آجکل ہر ایک شخص کو [illegible] مگر اس کی اصلیت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] واہ جی [illegible]
[illegible]

چمن تھے - کچھ درختوں کا سایہ تھا - سامنے فضا کا میدان تھا - شام کو روز وہاں جا کر
بیٹھا کرتے تھے - اور چند احباب اور شاگردوں کے ساتھ شعر و سخن کا چرچا رکھتے تھے
بیاسی برس کی عمر تک اس معمول کو نباہ دیا - گرمی جاڑا برسات - انہی جا بیٹھتے
وقت ان کی اتنی قضا نہ ہوتی تھی - اہل دہلی کے قدیمی بزرگوں کا دستور تھا کہ جو بات ایک دفعہ اختیار
کر لیتے تھے - جب تک جیتے رہتے دم تک نباہ دیتے تھے - اور اسے وضع داری یا پابندی وضع کہتے
یہ ایک قانون تھا - کہ آئین شریعت کے برابر سمجھا جاتا تھا - اسی پابندیاں بعض معاملات
میں استقلال بن کر مالک اور اہل ملک کے لئے قابل فخر ہوتی ہیں - اور بعض جزئیات میں تعصب
بن جا ہو کر خاندانوں اور خاندانوں کو بلکہ عام ہو کر ملک کو برباد کر دیتی ہیں
شیخ غلام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرہ میں ان کی شاعری کی ابتدا یہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۲ محمد شاہی
عہد میں ولی کا دیوان دکن سے دلی میں آیا - اس زمانہ کے حال بموجب وہی غنیمت تھا
اس واسطے خاص و عام میں اس کا بہت چرچہ ہوا
شاہ حاتم کی طبیعت نے بھی جوش مارا شعر کہنا شروع کیا - اور ہمت و لیاقت سے
اسے انتہا کو پہنچایا - پہلے رمز تخلص کرتے تھے - پھر حاتم ہو گئے - یہ پہلے شعرائے طبقہ
اول کے منتخب عروں میں تھے - اس وقت بھی زبان اُن کی فصیح اور کلام بے
تکلف تھا - مگر طبقہ دوم میں داخل ہو گئے - کلیات اُن کا بہت بڑا ہے - جو اکثر زبان قدیم
کی غزل اور قصاید اور رباعیات و مثنوی وغیرہ پر مشتمل ہے - کتب خانہ ہائے قدیم
لکھنو اور دلی میں دیکھا گیا - وہ شاہ آبرو اور ناجی کی طرز میں ہے لیکن آخر عمر میں کلیات مذکور سے
خود انتخاب کر کے ایک چھوٹا دیوان مرتب کیا - اُس کا نام دیوان زادہ رکھا - کیونکہ پہلے دیوان
پیدا ہو چکا تھا - وہ مختصر دیوان بھی پانچ ہزار سے زیادہ کا مال بغل میں دبائے بیٹھا ہے - ہر حال
یہ کارنامہ اُن کا استحقاق پیدا کرتا ہے - کہ طبقہ دوم سے نکال کر طبقہ سوم کی اولیت کا طرہ
اُن کی زیب دستار کیا جائے - یا اس کا ایک رکن اعظم قرار دیا جائے - انہوں نے
دیوان زادہ پر ایک دیباچہ بہت مفید لکھا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے

چون بعضے حرفی عنوان عالم - بصورت محتاج و بمعنے حاتم کہ از سنہ ۱۱۱۱ تا سنہ ۱۱۹۹

بمحل مثل باشد. عمر در این فن صرف کردہ - در شعر فارسی پیرو مرزا صائب و

در ریختہ ولی را استاد میداند - اول کسیکہ درین فن دیوان ترتیب نمودہ او بود -

نعقید دیوان قدیم بیش از بیست سال در بلاد ہند مشہور دارد - بعد ترتیب او تا امروز کہ

سنہ ۲ عزیز الدین عالمگیر ثانی باشد - ہر رطب و یابس کہ از زبان این بے زبان برآمدہ

داخل دیوان قدیم نمودہ کلیات مرتب ساختہ - از ہر ردیف دو سہ غزل غزلے

دار ہر غزل دو سہ بیتے - و رباعی مناقب و مرثیہ و چند مخمس و مثنوی از

دیوان قدیم نیز داخل نمودہ دیوان زادہ مخاطب ساختہ - و سرخیے غزلیات بہ

قسم منقسم ساختہ - یکے طرحی - دوم فرمایشی - سوم جوابی - تا امتیاز ان معلوم گردد -

معاصران فقیر شاہ مبارک آبرو و شرف الدین مضمون و مرزا جانجان مظہر شیخ احسن اللہ احسن

مبارز ناجی و غلام مصطفے یکرنگ است - ولفظ - جو ہر - واز - و الفاظ را

دیگر ... دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را

از نظر افعال دیگر کردہ دیوان قدیم خود تقید دارد - در نولا از دہ دوازدہ سال اکثر الفاظ را

از نظر انداختہ - و الفاظ عربی - و فارسی کہ قریب الفہم و کثیر الاستعمال باشند - و روزمرہ

دہلی کہ میرزایان ہند - و فصیحان رند - در محاورہ دارند منظور دارد - سوائے آن زبان ہر دیار تا بہ ہندی

زبان ہندی بھاکھا را موقوف کردہ محض روزمرہ کہ عام فہم و خاص پسند باشد اختیار

نمودہ و شمہ از آن الفاظ کہ تقید دارد - بہ بیان مے آرد - چنانچہ عربی و فارسی

مثلاً تسبیح را - تسبی و صحیح را صحی و بیگانہ را بگانا - و دیوانہ را - دوانا - و مانند آن

یا متحرک را ساکن و ساکن را متحرک - مرض را مَرَض - و غیرہ الفاظ ہندی مثل

زمین - و جگ - و نت - وغیرہ و لفظ - مرا - زمرا - و ازین قبیل کہ

بدان قباحت لازم آید - یا بجائے سی - سیں - یا - اودھر - را ادھر -

ادھر را - کدھر - کہ زیادہ بے حرف باشد - یا بجائے - پر - پہ - یا - میاں

را۔ بان۔ وہان را۔ وان۔ کہ در مخرج تنگ بود۔ یا قافیہ را۔ یا برائے تہدی
نشان۔ کھوڑا۔ و بورا۔ دہڑ۔ و سر۔ مانند آن۔ مگر با ہوزے بدل کردن یا
الف کہ از عام یا خاص در محاورہ دارند۔ بندہ درین امر متابعت جمہور مجبور است
چنانچہ۔ بندہ را۔ بندا۔ و پردہ را۔ پردا۔ و آنچہ ازین قبیل باشد۔ و این
قاعدہ را اکثر شرح دہد۔ مختصر کہ لفظے غیر فصیح انشاء اللہ نخواہد بود۔ مضمون ان کے
صاف عاشقانہ عارفانہ ہیں۔ شعر الیس کی باتیں۔ اور زبان شستہ و رفتہ ہے
لیکن لفظ۔ آپ۔ اور۔ یہان۔ وغیرہ زاید اکثر ہوتے ہیں۔ غرض اسی دیوان کے
دیباچہ میں اپنے شاگردوں کی ذیل میں ۴۵ آدمیوں کے نام درج کرتے ہیں۔ انہی میں
مرزا رفیع بھی ہیں۔ میان ہدایت اللہ کی زبانی روایت ہے۔ کہ شاہ حاتم جب سودا
کی غزل کو اصلاح دیتے تھے تو اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے؀

رتبۂ شاگرد ہے نسبت استاد مرا
از ادب صاحب چشم ورنہ در ہر ادائے

اور احباب سے کہتے تھے کہ یہ شعر صاحب نے میری استادی اور مرزا رفیع کی شاگردی
کے حق میں کہا ہے۔ لکھنؤ سے مرزا کے قصیدے اور غزلیں آتیں تو آپ
دوستوں کو پڑھ کر سناتے اور خوش ہوتے؀
سعادت یار خان رنگین ان کے شاگرد رشید۔ اپنی مجالس رنگین میں
لکھتے ہیں کہ تیسرے پہر کو میں بھی اکثر شاہ صاحب کے پاس شاہ تسلیم کے
تکیہ میں حاضر ہوا کرتا تھا ایک دن میان محمد امان نثار لالہ مکند رائے فارغ مرزا
اکبر علی اکبر وغیرہ چند شاگرد خدمت میں موجود تھے۔ اور میری نوشقی کے
دن تھے۔ کہ حسب معمول وہان حاضر ہوا۔ شاہ صاحب نے فرمایا
کہ آج رات مطلع کہا ہے۔

سر لوٹتا ہے کبھو سینہ کبھو لوٹتا ہے ۔ رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

میان رنگین لکھتے ہیں کہ ابتدا میں میری مزاج میں چالاکی بہت تھی۔ اور شعر کہتا اپنی نادانی سے گستاخانہ بول اٹھا۔ کہ اگر مصرع ثانی میں اس طرح ارشاد ہو تو کیا خوب

سر لوٹتا ہے کبھو سینہ کبھو لوٹتا ہے ۔ ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

شاہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اور فرمایا آفرین آفرین ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ انشاء اللہ تمہاری طبیعت بہت ترقی کرے گی۔ مشق نہ چھوڑنا۔ انکے دوستوں میں سے ایک شخص بولے کہ صاحبزادے۔ استاد کے سامنے یہ گستاخی زیبا نہ تھی۔ حضرت نے پھر فرمایا۔ کہ مضائقہ کیا ہے۔ والدین دیوان میں اسی طرح لکھوں گا۔ پس اس کے یہ قطعہ پڑھا۔

من و آن سادہ دل کہ عیب مرا ۔ ہمچو آئینہ رو برو گوید

نہ چو شانہ بصد زبان دو دو ۔ پس سر رفتہ موبمو گوید

اس میں شک نہیں۔ کہ یہ نیک نیتی اور دریادلی شاہ حاتم کی قابل رشک ہے۔ کیونکہ شعرا میں اپنے لئے خودپسندی اور دوسرے کے لئے ناتوان بینی ایک ایسی عادت ہے کہ اگر اسے قدرتی عیب کہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ شاگردوں کو استادوں سے دست و گریبان ہوتے دیکھا تو اسی فن میں دیکھا۔ یہ وصف با اس فرشتہ سیرت میں پایا۔ یا مرزا محمد علی ماہر میں کہ مرزا محمد افضل سرخوش کے استاد تھے۔

نقل ۔ مرزا محمد علی ماہر ۔ عہد عالمگیر میں ایک مشاق اور مسلم الثبوت شاعر اپنے زمانے کے تھے اور مرزا سرخوش ان کے قدیمی شاگرد تھے۔ مگر طبع مناسب اور کثرت مشق سے یہ کلی درجہ

آکمال کو پہنچ گئے۔ مرزا ناصر اکثر فرمائش کر کے ان سے شعر لکھوا لیا کرتے تھے۔ اور بہت شوق
سمجھانے کچھ دیا کرتے تھے۔ سرخوش لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک مثنوی بہار تحفہ
العراقین کے ڈھنگ میں لکھی تھی چنانچہ مطلع میں نے لکھ کر دیا کہ

اے بسر نامہ گل زرافت ⁂ باران بہار سنج حالت

اور میرے ساقی نامہ کے لیے انہوں نے مطلع کہہ دیا

بود نامہ لتہ بخشش ادا ⁂ کہ بر سر کشند جام حمد خدا

پھر لکھتے ہیں کہ ایک شب قطب الدین مائل کے ہاں شعرا کا جلسہ تھا۔ چاندنی رات تھی
سب مہتابی پر بیٹھے تھے مجھ سے شعر کی فرمائش کی میں نے اسی دن مطلع لکھا تھا وہ پڑھا

کے توانم دید زاہد جام صبا لب تشنہ لند ۔ مے پرورم کہ حبابے گر بدریا لب تشنہ لند

سب نے تعریف کی اور آدھی رات تک اس کے مصرع لوگوں کی زبان پر تھے۔ حکیم محمد کاظم
صاحب تخلص کہ اپنے تئیں مسیح البیان بھی کہتے تھے بار بار یہ شعر پڑھتے تھے۔
اور کہتے تھے خدا کی قدرت ہے ہندوستان میں ایک شخص پیدا ہوا ہے اور فارسی
کی زبان میں ایسے شعر کہے۔ دوسرے دن دانشمند خان کے مکان پر جلسہ ہوا وہاں
میں نہ تھا مگر مرزا ناصر موجود تھے۔ سب نے پھر اس مطلع کو یاد کیا۔ اور کہا کہ
تمہارا شاگرد کتنا خوش فکر نکلا ہے۔ اس کے اس شعر کی کیفیت میں عجب لطف سے
کل رات کٹی۔ آفرین ہے آپ کی محنت پر خوب تربیت کیا انہوں نے کہا کہ وہ
میرے شاگرد نہیں ہاں اتحاد ہے۔ وہ مجھے شعر دکھاتے ہیں میں انہیں شعر
دکھاتا ہوں۔ حکیم نے کہا کہ سرخوش سے بارہا گفتگو آئی وہ باصرار کہتے تھے کہ میں
شاگرد ہوں۔ ناصر نے کہا کہ بزرگ زادہ ہے جو چاہا کہہ دیا۔ مجھے اس کی استادی

کیا وقت لگتا ہے۔ دوسرے دن میں خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا
کہ تم نے اپنے تئیں میرا شاگرد کیوں کہا۔ مجھے تو فخر ہے کہ تم جیسا شخص میرا
شاگرد ہو۔ مگر دنیا میں ایسے بلند فکر لوگ بھی ہیں کہ وہ مجکو اور میرے
شعر کو خاطر میں نہیں لاتے انکی نظروں میں میرے شاگرد کی کیا قدر و منزلت ہوگی
شعرا۔ خدا کے شاگرد ہیں انکو کسی کی شاگردی کی پروا نہیں۔ شاہ حاتم کا ایک
دیوان فارسی میں بھی ہے۔ مگر بہت مختصر۔ میں نے دیکھا وہ سنہ ۱۱۹۶ھ کا خود
انکے قلم کا لکھا ہوا تھا۔ غزل ۹۰ صفحے رباعی و فرد وغیرہ ۶ صفحے۔ ولادت
ان کی سنہ ۱۱۱۱ ہجری میں ہے۔ اور ۹۶ برس کی عمر میں ماہ رمضان سنہ ۱۲۰۷ھ
میں دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں دلّی دروازہ کے باہر دفن ہوئے
مگر مصحفی نے تذکرہ فارسی میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۱۹۶ھ میں فوت ہوئے اور ۸۳
برس کی عمر پائی

یار کا مجکو اس قدر ڈر ہے — شوخ ظالم ہے اور ستمگر ہے — دیکھ سرو چمن تیرے قد کون
خجل ہے پا بگل ہے بے بر ہے — حق میں عاشق کے تجھ لبان کے تئیں — قند ہے نیشکر ہے شکر ہے
کیونکہ سب سے تجھے چھپا رکھوں — جان سے دل سے دیکھنا تیرے — مارنے کو رقیب کے حاتم
خنجر ہے تبر ہے نشتر ہے — یہاں طالعوں سے ملتا ہے پیارا — عبث دیکھے تھے زاہد استخارا
میں پایا یوں وصل تجھ چشم کا بعید کہ مانگونگا کبھی انکا اشارا — نہال وحشی کو کاٹ ڈالا
رقیبوں — دیکھا کر شوخ نے ابرو کا اشارا — لیا اس گلبدن کا میں نے بوسہ — تو کیا جو یار رقیبوں نے مارا
نئی عالم ہے میں قتل ان نے کرے لیا اب گلا حاتم بچارا — چھپا نہیں جا بجا حاضر ہے پیارا
کہاں وہ چشم جو ماریں نظارا — جدا نہیں سب سینی تحقیق کر دیکھ — ملا ہے سب سے اور سب سے نیارا
انفارا — مسافر تجھ سے چلتا ہے منزل بچے ہے لوح بر دم انفارا — مثال کہ تو عین مار تا سے
کیا ہے جس نے اس جگ سے کنارا — سینا نے حلق سے یوں بھاگتے ہیں — کہ جوں اٹھ سینی بھاگے ہے پارا

سمجھا نہ دیکھ جب صاحب ماہی کہاں ہیگا سکندر جہاں کے دارا کہیں ہے اصل عروض سمجھا
جو ہر لطف عشق میں دنیا سوں ہارا منفا کر دل لے اپنے کو حاتم دیکھا چاہے سخن گر اشعار

جب سنا موتی نے تجھ دندان سچ موتی جا ۔ آب میں شرمندگی سوں ڈوب جا عین پانی بہا
سر دماں بو دیکھا نرسل تیرے کو صبح ۔ ڈر گیا اور چشم سے انسو کے جا بہے جون بہا
لب سنا ہے سچ ہیمنے تاکہ پوچھا تھا مول ۔ جوہری کہنے لگے یہ لعل ہیگا بے بہا
حاتم اس لب مہرنے مجھی نہ دی اس غم ستی ۔ جا لگا ہے شہکر اس غم ستی دریا سبھا
آب حیات جا کے کسو نے پیا تو کیا ۔ مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا
شیریں لباں سوں سنگدلوں کو اثر نہیں ۔ فرہاد کام کوہ کنی کا کیا تو کیا
جلنا لگن میں شمع صفت سخت کام ہے ۔ پروانہ جوں شتاب عبث جی دیا تو کیا
ناسور کی صفت سے نہ ہوگا کبھی وہ بند ۔ جراح زخم عشق کا اگر سیا تو کیا
محتاجگی سوں مجکو نہیں ایک دم فراغ ۔ حق نے جہاں میں نام کو حاتم کیا تو کیا

خال اوسکے لے دل لیا میرا ۔ تل میں ان نے لہو پیا میرا
جان لے درد لو ملا کیوں تھا ۔ آگے آیا میرے کیا نہ میرا
اسکے کوچہ میں مجکو سکھر تا دیکھ ۔ رنگ کفنی نے اتسیا میرا
نہیں شمع چراغ کی حاجت ۔ دل سے مجھ زخم کا دیا میرا
زندگی در دسر ہوی حاتم ۔ کب ملیگا مجھے پیا میرا

کاملوں کا یہ سخن مدت سوں مجکو یاد ہے ۔ جگ سوں بے محبوب جینا زندگی برباد ہے
بندگی سوں سرو قد کی ایک قدم باہر نہیں ۔ سرو گلشن بیچ کہتے ہیں اگر آزاد ہے
بے مدد زلفوں کے اسکے حسن لینے صید کیا ۔ صید دل لے دام کرتا صنعت استاد ہے
خلق تئیں سے برا تھا عاشقی میں کوہکن ۔ تجھ لب شیریں کی حسرت میں مر اکے فرہاد ہے
دل نہان بہتا ہے حاتم کا نجف اشرف بکرد ۔ گو وطن ظاہر میں اسکا شاہجہان آباد ہے

[illegible] مبارک ہو تمہیں فرزانگی
بے مروت بے وفا ہے جو ہے اپنے آشنا
ملک دل آباد کیونکر ہو ترا ہے حشم نا فرا ہے

ہم ہوں اور صحرا ہو اور وحشت ہو اور دیوانگی
آشناؤں سے نہ کر بے رحمی و بیگانگی
اے پری بستی جو تو آتی ہے مجھے ویرانگی

سراج الدین علیخان آرزو

خان آرزو کو زبان اردو پر وہی دعوے پہنچتا ہے جو کہ ارسطو کو فلسفہ منطق پر ہے کہ کل منطقی ارسطو کے عیال کہلاتے ہیں تب تک اہل اردو خان آرزو کے عیال کہلاتے رہینگے انکا دلچسپ حال قابل تحریر تھا - لیکن چونکہ فارسی تصنیفات کی معمولی نے انہیں کوئی دیوان اردو میں نہ لکھنے دیا - اسلئے یہاں انکے باب میں اس قدر لکھنا کافی ہے - کہ خان آرزو - وہی شخص ہیں جنکے دامن تربیت سے ایسے شائستہ فرزند پرورش پاکر اٹھے جو زبان اردو کے اصلاح دینے والے کہلائے اور شاعری کی بنیاد [illegible] اور ذو معنی لفظوں پر بھی اسے کھینچکر فارسی کی طرز اور ادا سے مطلب پر لے آئے - یعنی - مرزا جانجاناں مظہر مرزا رفیع میر تقی خواجہ میر درد وغیرہ اردو کے شاعر تھے نہ اس زمانہ میں اسے کچھ کمال سمجھتے تھے - البتہ خان آرزو - اردو - بعض متفرق اشعار کہے تھے - وہ زمانہ کی گردشوں سے اس طرح نقش بس کر گئے کہ آج کل کے لوگوں کو خبر ہی نہیں - میرے دیوانے دل نے جو استادوں کی زبان سے لیکر سینہ میں امانت رکھے - وہ کاغذ کے سپرد کرتا ہوں - یقین ہے کہ یہ امانت دار ضائع نہ کریگا - خان موصوف نے سنہ ۱۱۶۹ ہجری میں رحلت کی - اصل وطن انکے بزرگوں کا اکبرآباد ہے - مگر یہ دلی سے خاص دل لگی رکھتے تھے - لکھنؤ میں انتقال کیا لیکن ہڈیوں کی خاک دلی میں آکر زمین کا پیوند ہوئی

آتا ہے ہر سحر اٹھ کے تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

اس تند خو صنم سے جب سے لگا ہوں ملنے
ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو

تجھ زلف میں لٹک نہ رہی دل تو کیا کرے
بیکار ہے اٹک نہ رہی دل تو کیا کرے

رکھے سپارہ دل کھول آگے عندلیبوں کے — چمن میں آج گویا پھول ہیں [illegible]
کھول کر بند قبا کو ملک دل غارت کیا — کیا حصار قلب دلبر نے کھلے بندوں لیا
اس زلف سیہ فام کی کیا دھوم پڑی ہے — آئینہ کے گلشن میں گھٹا جھوم پڑی ہے
دریا اشتیاق اپنا حباب سر اوج مارے — طوفان نوح بیٹھا گوشہ میں موج مارے
مرے شوخ خرابات کی کیفیت نہ کچھ پوچھو — بہا حسن کو دی آب اوسنے جبیں پر سے بہا
مغاں مجمع مستی میں جب بد قلقل شور نکا — ہے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لینے کے رو دیا

باوجودیکہ عزت خاندان اور نفس کمالات کی حیثیت سے خان موصوف کو امرا و غربا سب معزز و محترم سمجھتے تھے۔ اور علم و فضل کے اعتبار سے قاضی القضات کا عہدہ دربار شاہی سے حاصل کیا مگر مزاج کی شگفتگی اور طبیعت کی ظرافت نے دماغ میں خود پسندی اور تمکنت کی بو نہیں آنے دی تھی چنانچہ۔ **لطیفہ** شاگردوں میں ایک نوجوان کم سنی سے حاضر رہتا تھا حسن اتفاق سے یہ کہ چہرہ اسکا نمک حسن سے نمکین تھا۔ وہ کسی سبب سے چند روز نہ آیا۔ ایک دن یہ کہیں سر راہ بیٹھتے تھے کہ وہ ادھر سے گزرا۔ انھوں نے بلا لیا۔ شاید اسے ضروری کام تھا کہ وہ عذر کرکے چلا۔ انھوں نے پھر روکا۔ اور بلا کر یہ شعر پڑھا کہ لطافت طبع سے اسوقت شبنم کیطرح ٹپکا تھا۔

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا — کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے

۵۴۔ سودا نے اپنے تذکرہ میں اس شعر کو خان آرزو کے نام سے اسطرح لکھا ہے اور بر التماس اللہ [illegible]
آئینہ دریا سے لطافت میں قزلباش خان امید کے نام پر اسی شعر کو اسطرح لکھا ہے — از زلف سیاہ
تو بدل دوم پڑی ہے — در خانہ اللہ گھٹا جھوم پڑی ہے — اور بعض تذکروں میں
اسی شعر کو میر شمس فطرت کے نام سے لکھا ہے — واللہ اعلم

لطیفہ ایک دن کہیں مشاعرہ تھا۔ ایک جا چند فہمیدہ اور سخن شناس بیٹھے شعر و سخن سے دماغ تازہ کر رہے تھے۔ ایک شخص نے خان موصوف کی تعریف کی اور بہت مبالغہ کیا۔ حکیم اصلح الدین خانصاحب مسکرائے اور کہا کہ ع ارز خوب است اما این قدرہا خوب نیست۔ سب ہنسے اور خود خانصاحب دیر تک اس مصرع لطیف کی داد دیتے رہے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ لوگ میاں ۔ افسوس تمکو میر سے صحبت نہیں رہی

اشرف علیخان فغاں

فغاں تخلص۔ اشرف علیخان نام احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ تھے۔ بذلہ سنجی و لطیفہ گوئی کا یہ عالم تھا کہ زبان سے پھلجھڑی کی طرح پھول جھڑتے تھے۔ اسلئے ظریف الملک کوکہ خان خطاب تھا اگرچہ شاعری پیشہ نہ تھی۔ مگر شعر کا مزہ ایسی بُری بلا ہے کہ اسکے چٹخارے کے سامنے سارے مزے بے مزے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسے ہی صاحب کمال ہیں۔ ابتدائے عمر میں شعر گوئی کا شوق ہوا۔ طبیعت ایسی مناسب واقع ہوئی تھی کہ جلد ہی سے اس کام میں نام پیدا کیا۔ مصحفی نے اپنے تذکرہ میں قزلباش خان امید کا شاگرد لکھا ہے مگر انکے ارادہ ابھی سن لیجیے شاید فارسی میں اصلاح لی ہو۔ گلزار ابراہیمی میں لکھا ہے کہ ندیم کے شاگرد تھے اور خود بھی جا بجا کہتے ہیں ؎

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں ۔ دو دن کے بعد دیکھو استاد ہو گیا

دشت جنوں میں کیوں نہ پھروں میں برہنہ پا ۔ اب تو فغاں ندیم مرا رہنما ہوا

الغرض جب **احمد شاہ درانی** کے حملوں نے ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا اور **دلی** میں دربار کا طور بے طور دیکھا تو مرشد آباد میں **ایرج خان** انکے چچا کا ستارہ اوج پر تھا اسکے ملنے گئے اور وہاں سے عظیم آباد میں پہنچے۔ اس زمانہ میں **دلی** کا آدمی کہیں جاتا تھا تو لوگ اسے سمجھتے تھے گویا مرزا دہ آئے۔ بلکہ اسکی نشست برخاست کو سلیقہ

---

٥٥ - گجرات احمد آباد کے سادات عظام کے خاندان سے تھے۔ سودا کے دیوان کا جو دیباچہ ہے وہ انہیں کا لکھا ہوا ہے خود بھی شاعر تھے۔ ان سید رضی الدین اشتیاق لقب تھا بیٹا بھی شاعر تھا۔ تعیر خان موصوف کے سودا کے حال میں لکھے گئے دیکھو صفحہ

اور اختیار کا دستور العمل سمجھتے تھے۔ اُس وقت شاہ اودھ بھی نواب وزیر الممالک
نواب شجاع الدولہ مرحوم حاکم اودھ اُنکے ساتھ بہت تعظیم سے پیش آئے اور اعزاز و اکرام
کی ساتھ رکھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ نازک مزاج بہت تھے اور زمانہ بھی اب بگڑ گیا کہ
ایسے مزاجوں کی برداشتین نہیں ہو جاتی تھین۔ چنانچہ ایک دن اختلاط میں انکا ڈنڈا نواب کے
ہاتھ سے لگ گیا۔ یہ رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے۔ وہان جا کر اس سے زیادہ عزت پائی
اور راجہ شتاب رائے کی سرکار مین اختیار اور اقتدار حاصل کیا۔ راجہ صاحب بھی علاوہ
خاندانی بزرگی کے انکے کمال ذاتی اور ہنرہائے کلامی اور علم مجلسی کے سبب سے نہایت عزیز رکھتے تھے
چنانچہ وہین رہے اور باقی عمر خوشحالی مین بسر کر کے دنیا سے انتقال کیا
انکے کمال کی سند اس سے زیادہ نہین ہو سکتی کہ مرزا رفیع جیسے صاحب کمال اکثر انکے اشعار
مزے لیکر پڑھا کرتے تھے اور بہت تعریف کیا کرتے تھے۔ حقیقت مین مرزا کا خود
بھی یہی انداز تھا۔ کیونکہ انکے کلام مین بھی ہندی کے محاورے فارسیت کے ساتھ ایسے
لطف سے ترکیب پاتے ہین اور ہر خیال کو لطافت اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہین
انکے جس دیوان سے میری آنکھین روشن ہوئین وہ میرے استاد ظاہر و باطن شیخ ابراہیم ذوق
کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ اگرچہ فغان کی زبان اُسی زمانہ کی زبان ہے مگر فن شاعری کے
اعتبار سے نہایت با اصول اور برجستہ ہے اور الفاظ کی بندش انکی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے
مقدار مین دیوان دردؔ سے کچھ بڑا تھا۔ مگر فقط غزلوں کا دیوان تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ انکی طبیعت آپ کی شاعری کے لئے نہایت مناسب تھی۔ انکے حالات سے معلوم
ہوتا ہے کہ تیزی اور طراری کو انکے مزاج سے وہ لگاؤ تھا۔ جو بارود اور حرارت کو لطیفہ گوئی
اور حاضر جوابی زبان مین ایسی تھی کہ جیسی تلوار مین جوہر۔

لطیفہ ایک دن راجہ صاحب کے دربار مین غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیان۔ اور
جالیان۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت مین
میان جگنو بھیان۔ ایک مسخرے تھے۔ انکی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیہ آپنے
باندھے۔ مگر تالیان رہ گئین۔ انھوں نے ٹال دیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے
خود فرمایا کہ

راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب آپ سنتے ہو۔ جگنو میاں کیا کہتے ہیں
انہوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھکر چھوڑ دیا تھا اور حضور فرمائیں تو آپ بھی
ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا ہاں کچھ کہنا تو چاہئے انہوں نے اسیوقت پڑھا

جگنو میاں کی دم جو چمکتی ہے رات کو — سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے ہیں تالیاں

تمام دربار پھڑک اٹھا اور میاں جگنو مدہم ہوکر رہ گئے
افسوس یہ ہے کہ اس قسم کے لطائف بڑھتے بڑھتے ایسے اور راجہ صاحب سے بھی شکررنجی
ہوگئی اسکی بنیاد یہ ہوئی کہ احمد شاہ درانی نے جو سلطنت پر حملے کئے۔ ایک دن اسکی
دوست دارانی اور بے اعتدالیوں کا ذکر ہو رہا تھا خدا جانے طنز سے یا سادہ مزاجی سے
راجہ صاحب نے کہا کہ نواب صاحب۔ ملک زمانی کہ احمد شاہ درانی کیونکر لے گیا۔ انہیں یہ بات
ناگوار ہوئی۔ افسردہ ہوکر بولے کہ مہاراج جس طرح سنبھاجی پورا دن لیگیا تھا اسی طرح
وہ لیگیا۔ اسدن سے دربار میں جانا چھوڑ دیا سنتے ہیں۔ کہ حکام فرنگ سے اس
انکی لیاقت اور حسن تدبیر کو اس بات نے قیاس کہ ... سنہ ۱۱۸۶ میں وفات
عالم میں اسطرح رسائی پیدا کی کہ باقی عمر فارغ البالی اور خوشحالی میں گذاری۔
پائی اور وہیں دفن ہوئے

مبتلائے عشق کو اے ہمدمان شادی کہاں
آگئے آپ تو گرفتاری میں آزادی کہاں

کوہ میں مسکن کبھی ہے اور کبھی صحرا کے بیچ
خانۂ الفت ہو ویران ہمکو آبادی کہاں

ایک میں تو قتل ہوں خونی ہوں ولیکن مجھ سوا
بیٹھ جاویگی مرے قاتل پہ جلادی کہاں

کاش آجاوے قیامت اور کہے دیوان حشر
وہ فغان جو سے گریبان چاک فریادی کہاں

خط پہ کچھ چھپا کے ملے وہ اگر کہیں
لیتا نہ پھر نے نام کو آتے نامہ بر کہیں

بادصبا تو ان عقدہ کشا اسکی ہو جیو
مجھ سا گرفتہ دل اگر آوے نظر کہیں

اتنا تو ہوش نہیں آتا ہے اشک کا
عالم کو مست تو ہوا ہے چشم تر کہیں

میری طرف سے خاطر صبا دو جمع ہے
کیا اڑ سکیگا طائر بے بال و پر کہیں

تیری گلی میں خاک بھی چھانی کہ دل ملے
اب ہی گم ہوا کہ نہ آیا نظر کہیں

رہا جہان تلک تھا میں جہان رو چکا
یاد اگر تجھے نہین آتا تو دیکھ لے
ایذا فغان کے حق مین یہان تک ہوا نہین
بے فایدہ ہے آرزوئے سیم و زر فغان
جلتے ہین اس گلی مین فرشتے کے پر فغان
بوئے کباب سوختہ آتی ہے خاک سے
یہان تک تو گرم ہے مرے جوش سرد عشق

کہتے ہین فصل گل تو چمن سے گذر گئی
شکوہ تو کیون کرے ہے مرے اشک سرخ کا
اتنا کہان رفیق بصارت ہے چشم کی
تمنا اگر مین یار کو پاؤن تو یون کہون
آخر فغان ہی سب اپنے کیون بھلا دیا
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے
مفت سودا ہے ارے یار کہان جاتا ہے
کج کلہ تیغ بکف چین بر ابرو بیباک
لے چلی ہے اجل جان فغان کو مارے
صنم بنا تو خدا ایکا مجھکو کیا ہوا
کباب ہو گیا آخر کو کچھ برا ہوا
شگفتگی سے ہے غنچے کے تئین پریشانی
ہوا نہ مین جو جیا آخر کو نیم بسمل ہو
نیست ہوا ہون قضیوت نسبت ہوا ہون خراب
طرف سے اپنی تو نیکی مین ہے مرا صاحب

متعلق نہین ہے چشم مری کا اثر کہین
آنسو کہین ہے دم کے لگے لخت جگر کہین
ظالم یہ کیا ستم ہے خدا سے بھی ڈر کہین
کس زندگی کے واسطے یہ دربدر فغان — فغان
کیونکر پھرے جہان سے ترا نامہ بر فغان
دامن سے کیا گرا کوئی لخت جگر فغان
دیکھے اگر کوئی تو نہ ٹھہرے نظر فغان

اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی
تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی
دل بھی ادھر گیا مری جیدھر نظر گئی
انصاف کو تجھو مروت اگر گئی
وہ کیا ہوئے تپاک وہ الفت کدھر گئی
یون بھی گذر گئی میری وون بھی گذر گئی
آمرے دل کے خریدار کہان جاتا ہے
یا الہی یہ ستمگار کہان جاتا ہے
لیجیو تیرا گرفتار کہان جاتا ہے
ہزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا
عجب یہ دل ہے جلا تو بھی بے مزہ نہ ہوا
بھلا ہوا کبھی کافر تو مجھ سے وا نہ ہوا
غضب ہوا مرے قاتل کا مدعا نہ ہوا
تیری طفیل اے خانہ خراب کیا نہ ہوا
مری بلا سے فغان کا اگر بھلا نہ ہوا

بیچ و تاب بیکون و شین اب وہ کالیان　　ظالم اسی لیے تین نے زلفین بھی بالیان
سنتا نہ در کو دیکھ کے کرتے اشتیاق خشمیں　　سوراخ دل مین کرتی ہین کانونکی بالیان
دیکھا کہ یہ تو چھوٹتا ممکن نہین مجھے　　ق　　جلنے لگا وہ سوخ مرا تب یہ چالیان
ہر بات بیچ روٹھنا ہر دم مین ناخوشی　　ہر آن دو کھنا مجھے ہر وقت گالیان
ایذا ہر ایک طرح سین دنیا غرض مجھے　　کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحین نکالیان
ہمنے شب فراق مین سنتا ہے اے فغان　　ق　　کیا خاک ہوکے حسرتین دلکی نکالیان
یہ تھا خیال خواب مین ہنگا بر دو وصل .　　آنکھیں جو کھل گیئین وہی راتین ہین کالیان

خاتمہ

دوسرے دو کے شعرا رخصت ہوتے ہین - سبحان اللہ اس بڑھاپے پر ایسے زندہ دل اس کمال پر ایسے لطف سادہ مزاج - ع - کیا خوب آدمی تھے خدا مغفرت کرے نہ استعارون کے پیچ نہ تشبیہون کی رنگا رنگی - اپنے خیالات کو کسی صاف صاف زبان اور سیدھے سیدھے محاورہ مین لکھ گئے کہ آج تک جو سنتا ہے سر دھنتا ہے . انکا کلام قال نہ تھا حال تھا - جو خیال شعر مین باندھتے تھے اسکا عالم انکے دل و جان پر چھا جاتا تھا یہی سبب ہے کہ جس شعر کو دیکھو تاثیر مین ڈوبا ہوا ہے اسی کو آج اہل فرنگ ڈھونڈتے ہین اور کہتے ہین کہ ہر شے کی اصلی حالت دکھانی چاہئے - مگر حالت کون دکھائے کہ اپنی حالت بگڑی ہوئی ہے .

صحبت گل سے فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی　　آجکل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی
آدمی سمجھے ہین جسکو ایک غنچہ گل کا ہے　　بحر ہان گل اسکو جب گل ہو ذرا بگڑی ہوئی
دل شکستون کا سخن ہووے نہ کیونکر بادرست
ساز بگڑے سے تو نکلے ہے صدا بگڑی ہوئی

تیسرا دور

تمہید

اس مشاعرہ میں ان صاحب کمالوں کی آمد آمد ہے جنکے بانداز میں فصاحت
آنکھوں میں چھائی جاتی ہے اور بلاغت قدموں میں لوٹی جاتی ہے۔ زبان اردو ابتدا میں
کچا سونا تھی۔ ان بزرگوں نے اسے اکثر کدورتوں سے پاک صاف کیا اور ایسا
بنا دیا ہے جس سے ہزاروں ضروری کام اور آرائشوں کے سامان جنہیں
زیور بادشاہوں کے تاج واقعہ تیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ بہت سے مرصع کار نیا
نگار پیچھے آئے۔ مگر اس فخر کا نو لکھا ہار انہیں بزرگوں کے گلے میں رہا۔ جب یہ
باکمال۔ چمن کلام میں آئے تو اپنے بزرگوں کی چمن بندی کی سیر کی۔ فصاحت کے
پھول کو دیکھا کہ قدرتی بہار میں حسن خداداد کا جوبن دکھا رہا ہے۔
چونکہ انہیں بھی ناموری کا تمغہ لینا تھا اس لئے بڑھکر قدم مارنے چاہیے
تھے گردش کے میدانوں میں بہت دوڑے سب پھول کام میں آئے تھے
جب اپنے کچھ نہ پایا تو ناچار اپنی خاروں کو اٹھایا۔ تم دیکھنا وہ بلندی کے
مضمون نہ لائینگے۔ آسمان سے تارے اتارینگے۔ قدردانوں سے فقط داد نہ لینگے
پرستش لینگے۔ لیکن نہ وہ پرستش کہ سامری کی طرح عارضی ہوا۔ انکے کمال کا
دامن قیامت کے دامن سے بندھا پاؤگے۔ یہ اپنی صنعت میں کچھ کچھ تکلف
بھی کرینگے۔ مگر آب جیسے گلاب کے پھول پر شبنم۔ یا تصویر پر آئینہ۔ انکا تکلف بھی اصلی
لطافت پر کچھ لطف زیادہ کریگا اسکی خوبی پردہ نہ ہوگا۔ تم میر صاحب اور خواجہ میر درد کو دیکھوگے
کہ اثر میں ڈوبے ہونگے۔ سودا کا کلام باوجود بلندی مضمون اور چستی بندش کے بانکا طلسم ہوگا

اسی بات کا افسوس ہے کہ اس ترقی میں طبیعت کی بلند پروازی سے اُدھر کی طرف رُخ کیا کہ اس آگے قدم بڑھاتے تاکہ حسن و عشق کے محدود صحن سے نکل جاتے - اور اُن میدانوں میں گھوڑے دوڑاتے کہ نہ اُنکی وسعت کی انتہا ہے نہ عجایب لطافت کا شمار ہے

اس بات کو بھولنا نہ چاہیے کہ **خان آرزو** کے فیض صحبت نے ان نوجوانوں کے کمال کو اسطرح پرورش کیا جسطرح دایہ اپنے دامن میں ہونہار بچوں کو پالتی ہے چنانچہ طبقہ دوم اور سوم کے اکثر استادوں کے حال مجمل طور پر حواشی میں لکھدیے ہیں اور اکثروں کے نام و کلام سے یہ جام خالی ہے - حقیقت میں اُن سب کو زبان اُردو کی اصلاح کا حق حاصل ہے - لیکن اپنے اُستادوں اور بزرگوں سے بھی سُنا کہ مرزا جانجاناں - سودا - میر - خواجہ میر درد - چار شخص تھے کہ جنہوں نے زبان اُردو کو خراد اتارا ہے -

ہمارے زمانہ کے بزرگوں کا قول ہے کہ ۶۰ برس کے بعد زبان میں ایک واضح فرق پیدا ہو جاتا ہے - طبقہ سوم کے اشخاص جو حقیقت میں عمارت اردو کے معمار ہیں انھوں نے بہت سے الفاظ پرانے سمجھکر چھوڑ دیے - اور بہت سی فارسی کی ترکیبیں جو نصری کی ڈلیوں کی طرح دودھ کے ساتھ منہ میں آتی نہیں - انہیں کھلا دیا - پھر بھی بہت خیال کے بہت سی باتیں اُنکے کلام میں ایسی ہیں کہ اب متروک ہیں - چنانچہ فارسیت کی ترکیبوں کے اشعار دیباچہ میں لکھے گئے - دیکھو صفحہ ۵۴ - ۶۴ - ۷۴

لیکن پرانے الفاظ جو اب متروک ہیں اُنکی مثال کے چند اشعار **میر** اور **مرزا** اور **خواجہ میر درد** کے کلام سے لکھتا ہوں پھر بھی انصاف سے نہیں گذرا جاتا انمیں اپنی اپنی جگہ ایک ایک لفظ ایسا جڑا ہوا ہے جسے اُدھاڑنا مشکل ہے -

میر صاحب فرماتے ہیں

ہوتا تھا مجلس آرا اگر وہ کبھی تو مجکو　　مانند شمع مجلس کاہیدہ تن جلادیا

نقاش دیکھ تو مین کیا نقش یار کھینچا
اس شوخ کم نما کا نت انتظار کھینچا

دیر و حرم مین کیونکہ قدم رکھ سکیگا میر
ایدھر تو اس سے بت پھرا اودھر خدا پھرا

تک بھی نہ مڑکے میری طرف تو نے کی نگاہ
اک عمر تیرے پیچھے مین ظالم لگا پھرا

گل و آینہ کیا - خورشید و مہ کیا
جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میان خوش رہو ہم دعا کر چلے

رستم ظلم و عشق مت پوچھ تو کہ ناحق
ایکون کی کھال کھینچی ایکون کو دار کھینچا

لوہو لگنے سے تپکنے جو پلک یارو ان ہون
اب تو یہ رنگ ہے اس دیدہ اشک افشان کا

کیونکر تمہاری بات کرے کوئی اعتبار
ظاہر مین کیا کہو ہو سخن زیر لب ہے کیا

سیمین تنون کا ملنا جانے ہے کچھ تمول
شاہد سیمتنون کو ہم پاس زر کہان ہے

تا مقدور انتظار کیا
دل نے اب زور بیقرار کیا

خون جگر ہو بہنے لاگا
پلکون ہی پر رہنے لاگا

پی پی کے اپنا لوہو رہین گو کہ ہم ضعیف
جون رنگینی نہین ہے انکھون کے تو کان ہے

کیفیتین ہزار ہین اس کام جان کے بیچ
دینے مین لوگ جان تو ایک ایک ان پہ

تارہ چمک بھی سنکو تارون مین آسمان کی
اس آسیا کو شاید پھیرے کئے کنہو نے راہا

زمانہ نے مجھے جرعہ کش کو نداں
کیا خاک جستہ سر خم کیا

دل لیکے میری جان کا دشمن ہوا نداں
جس بیوفا سے اپنے تئین پیار ہو گیا

گہے خون جگر گہ اشک گاہے لخت دل یارو
کسی نے بھی کہین دیکھا ہے یہ بسیار رونے کا

کہا تھا مین نہ دیکھو غیر کی اور
سو اسنے آنکھ مجھسے ہی چھپا لی

انکھون نے میر صاحب قبلہ ستم کیا
حضرت لگا کیا تکرو رات کسکے تئین

باہر نہ آتا چاہ سے یوسف جو جانتا
لے کاروان مرے تئین بازار جائیگا

ہر ذرہ خاک تیرے گلی کی ہے بیقرار
یہان کون ستم زدہ ماٹی مین رل گیا

آتش تیز جدائی سے یکایک اس بن
یون جلا دل کہ تنک جی بھی جلایا نگیا

رہے خیال تنک ہم بھی روسیاہون کا
لگے ہو خون بہت کرنے بیگناہون کا

سو اس سے جہان سیاہ نہ بھی
نالہ مین مرے اثر نہ ہوگا

مت رنج کر کسکو کہ آپنے تو اعتقاد
دل ڈھا کے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

بس طبیب اٹھ جا مرے بالین سے مت دے دردسر
کام جان آخر ہوا اب فایدہ بیہودہ کا

دل ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا

حیف وے جنکے وہ اسوقت مین پہنچا جسوقت
ان کنے حال اشارون سے بتایا نہ گیا

لگوا کے پتھر سے اور برا بھی کہا کیے
تمنے حقوق دوستی کے سب ادا کیے

ایسے وحشی کہان ہین اے خوبان
میر کو تم عبث اداس کیا

اس عہد مین ماضی استمراری جمع مونث مین دونو فعل جمع لاتے تھے۔ مثلاً عورتین آتیان تھین اور گاتیان تھین۔ اب پہلے فعل کو واحد لاتے ہین۔ مثلاً عورتین آتی تہین اور گاتی تہین۔

بارہا وعدون کی راتین آئیان ۔:۔ طالعون نے صبح کر دکھلائیان

جنون میرے کی باتین دشت اور گلشن مین جب چلیان
نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیان بید کی ہلیان

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین ماننا بالفتح بولتے تھے۔ چنانچہ سودا بھی ایک غزل مین لکھتے ہین جسکا قافیہ ردیف یہ ہے جلتے دیکھا۔ کھلتے دیکھا

تیغ تیری کا سدا شکر ادا کرتے ہین ——— لبون کو زخم کے ذرات مین ملتے دیکھا

اسی طرح اکثر اشعار مرزا رفیع کے ہین کہ باوجود محاورہ قدیمانہ۔ آجکل کے نرالے محاورہ انپر قربان ہین چنانچہ فرماتے ہین۔

آخر اکبر اسطلے این آنکھین سے در گذر — گل بن پھرا ہون کھا دامان گلہ یار کا
بیوفائی کیا لکھون دل اسنا تھہ تجھہ محبوب کی — تیری نسبت تو بیان بلبل سے گل نے جو کی
جسکے دل کو تری زلفون سے میان لاگ لگے — اسکی آنکھون مین جو رسی بھی ہو تو ناگ سے لگے
تجھے عشق مین بیاہے مجھے وہ پرچہ جو گل بن — نے بھول کی کسی نے جنکو جھڑی لگائی
خرابات سے سودا کے حال کی بیان کے — نہین ہے وقت مری جان یہ تامل کا
نہ جانے حال کس ساقی کو یاد آتا ہے شیشہ کا — کرے ہے سجدہ یان جوڑا گل جاتا ہے شیشہ کا
بیہودہ اسقدر نہین آتا ہے سکام ناز — مکھہ پر خط آچکا مگر و صبح و شام ناز
عالم کو مارا کھا ہے تین با قد و و تا — زار یہ کاٹ ہے تیری تیغ دو نیم سکا
سودا کے تھا یا ہے اسکو نہین غرض — اودہر کھلی جو زلف ادہر دل بکھر چلا
سودا الگ نہ گھر سے کہ اب تجھکو ڈھونڈنے — لڑکے پھرتے ہین پتھرون سے دامن بھرے ہو
تسلی اس دوانے کی ہو جو لڑکے پتھرون سے — اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پتھر یہان
مگر آباد ہین لبے ہین کانون — تجھہ بن اوجڑے پڑے ہین اپنے بھاؤن
قیس و فرہاد کا نہین کچھہ ذکر — اب تو سودا کا ہا جتا ہے ناؤن
جاتے ہین لوگ قافلے کے پیش و پس چلے — ہے یہ عجیب سرا کہ جہان آئے بس چلے

اس غزل مین قفس چلے - اور بس چلے قافیہ ہے انہین لکھتے ہین

صیاد اتنا تو کردے قفس سے ہمین رہا — ظالم پھڑک پھڑک کے پر و بال گھس چلے
صبا ہے ہر گھڑی مجکو لہو کی بو آتی ہے — چمن مین آہ گلچین نے یہ کس بلبل کا دل توڑا
موجب مری رنجش کا جو پوچھے ہے تو اے جان — مونہون نکالنے مین کہول کے جون غنچہ دہان کو
داغ تجھہ عشق کا جھمکے ہے مرے دل بیچ — مہر ذرہ مین درخشان نہوا تھا سو ہوا

ہندی پنجاب مین ایک گھنسا بالفتح بولتے ہین

بچے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب جنکے دیکھنے کو انکھیں ترستیاں ہیں

دل بے ساقی تیرے بے پروائیاں
جانیں مستانوں کی لب آئیاں

اسی طرح ہندی صفت بھی اب جمع نہیں لاتے

ایام ہو گئیں دل برہ کی ساعتیں کڑیاں
دیکھ انکھیاں کیوں مرے جیکے گلے کا ہار ہوئیاں

چھپ گیا ہوں جو کریں قتل وہ انکھیاں مجکو
بھیج گئیں دیکھا کے منہ خنجر ہر ان مجکو

خیال ان انگڑیوں کا جھومت مرے کے بعد از جگر
ولا آیا جو تو اس سکدہ میں جام لیتا جا

ناتوانی بھی عجب سے کہ گلشن میں نسیم
ت لیئے پھرتی ہے دوش اوپر رنگ بو مجھے

فارسی کی جمع کو کہ وقت سب فصحا عموماً بولتے تھے اب بغیر حالت صفت یا اضافت کے نہیں بولتے - سودا لکھتے ہیں

سودا غزل چمن میں تو ایسی ہی کہکے لا
گل ہائے بن ہیں کے جیب کو دین بلبلان صلا

اور آپ جگہ لکھتے ہیں

ہاتھ سے جاتا رہا دل دیکھ خوبان کی چال
زلف خوبان کی ہوئی ہے مرے جینا جنجال
یا الٰہی میں کہوں کس ستی اپنا احوال

خوبان - اور محبوبان - مرزا کی زبان پر بہت چڑھے ہوئے ہیں

اور خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

پرورش غم کی ترے یہاں تئیں تو کی دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینہ میں کہ نا سو نہ تھا

تو نہ تئیں مجھ سات مری جان ماسکا
ایسا بھی کبھی ہو گا کہ پھر آن ملے گا

ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا

ملے تو نہ آوے کچھ دل کی بات منہ تک
ڈرتے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

کہیں میرا حال تم تک بھی نہ ہو! | کھاتب - اچھا تھا میں سنتا تھا

مرے دل کا جو مردم تو بھلا اتنا تو لے سے | لٹو ہو کے سو اٹھ سے تیا تو ہمیں کیا نکلا

جا ہے کس پر دے سے اپنے دیجانہ کے بیچ | اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانہ کے بیچ

سو بار دیکھا ان میں تیری بے وفائیاں | لیکن بھی نت غرور ہے دلمین گناہ کا

جگ میں نہ کوئی تک ہنسا ہوگا | کہ نہ ہنسنے ہی رو دیا ہوگا

درد کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانے | اسکو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

اے شانہ تو نہ ہو جو دشمن ہمارے جی کا | کون دیکھیو نہ ہو وے زلفوں کا بال بیکا

اگر تجھکو جینا ہے جل ساتھ میرے | بجھ گئے تو باتیں تبا نہ رہیگا

بعد مدت کے درد گل میرے | مل گیا راہ میں وہ عجیب دہن

میری اسکی جو لڑ گئیں نظریں | ہو گئے آنکھوں میں ہی دو دو سخن

اسکے عہد میں زبان میں کچھ کچھ صلاح ہو گئی مگر رسم الخط میں بہت کچھ بزرگوں کی میراث باقی تھی - ایک مجموعہ میرے ہاتھ آیا کہ [illegible] ہجری کی تحریر ہے وہ کسی فہمیدہ شخص نے بڑے شوق سے لکھا ہے تمہیں - میر سوز - تابان - فغان - سودا - خواجہ میر درد - انعام اللہ خان - خواجہ آبرو - میر محمد باقر حزین - میر کمال الدین شاعر - خواجہ احسن اللہ خان بیان - قیام الدین قایم کے دیوانوں کی انتخاب غزلیں ہیں - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد میں تو علامت مفعول کو ن لکھا جاتا تھا - چنانچہ شاہ آبرو - اور میر کمال الدین شاعر وغیرہ نے جن کی غزلوں میں کو ردیف ہے اونہیں ردیف ن ہی میں لکھا ہے - متاخرین نے ن کو دور کیا - مگر معلوم ہوتا ہے کہ واو کو معروف ہی بولتے تھے

خاتمہ

خواجہ میر اثر نے کہ خواجہ میر درد کے بھائی تھے - ایک نے ردیف غزل میں ہو
ہو تو قافیہ رکھا ہے اور کو - استفہامیہ باندھا ہے - مرزا رفیع نے بھی ایک جگہ
ایسا کہا ہے - انکی ایک غزل ہے - قفس کو - جرس کو - نفس کو - اسکا
مقطع ہے : نہ عیب نگر سیر چمن کی ہمیں سودا + ہر چند ہوا خوب ہے
وہاں لیک ہوس کو

ایک غزل ہے - ابرو نہیں گیسو نہیں - ہمیں سمجھنے میں
خط سبز اسکا سیہ کچھ رد ہوا سبز اسپید - خواہش ترک نیاز و ناز دونوں کو نہیں
سیکھے ترکِ عشق میر انیس نے کتنا ہی وہ شوخ - نیل بگڑا سے کہیں بارو - یقین مجھکو نہیں

الفاظ مفصلہ ذیل کی رسم الخط اس عہد میں اس طرح تھی

تو . . . . . . تون اسنے . . . . . . اونے
سے . . . . . . سین جسنے . . . . . . جنے
اس سے . . . . . . اسسین جی . . . . . . جیو
مجھے . . . . . . مجھسین تجھکو . . . . . . تجھکون
تو نے . . . . . . تونین سنے . . . . . . کسو
جون . . . . . . جیون

سے کچھ نقص مراد ہیں - میں اشعار مذکورہ بالا جو کہ حقیقت میں ایک محاورہ مرقوم ہیں اگلے وقتوں کے یادگار باقی ہیں - انہیں پڑھ کر گھٹا تک نہیں جانتا کہ کیسے ہونگے - یا جو کچھ اگلے وقتوں سے فقط بھی مطلب نہیں کہ اس عہد تک صفائی کو وسعت دینگے - مجھے اس لکھنے سے فقط یہی مطلب نہیں کہ اُس عہد تک زبان پر اسقدر قدامت کا اثر باقی تھا - بلکہ ایک بڑی بات کا افسوس ظاہر کرنا منظور ہے
وہ یہ ہے کہ سودا کی ۷۰ برس کی عمر شاعری کی ۸۰ - ۵۰ برس کی عمر - اور اس بات سے کسیکو انکار نہ ہوگا کہ جو زبان دلی کی انکی اوائل کلام میں تھی وہ سی اوسط عمر تک

بہرصورت یہ ادا خسرو میں نہ تھی - یقیناً تینوں زبانوں میں ظاہر اور واضح اشعار ہوئے ہونگے - مگر چونکہ رسم ملک نے دیوانوں کی ترتیب حروف تہجی پر رکھی ہے اسلئے آج ہم معلوم نہیں کر سکتے کہ انکے عہد میں وقت بوقت ملکی زبانوں میں کیا کیا انقلاب ہوئے یا مختلف وقتوں میں خود انکی طبیعت کے میلان اور زور کلام نے اتار چڑھاؤ کس کس درجہ پر تھے — اس اندھیرے میں فقط دو شاعر ہمارے لیے چراغ رکھ گئے ہیں کہ حسب تفصیل ذیل چند قسموں میں اپنے کلام کو تقسیم کیا

اوائل عمر — عہد جوانی — سن کہولت — پیرانہ سالی

(۱) امیر خسرو - تحفۃ الصغر - غرۃ الکمال - وسط الحیوٰۃ - بقیہ نقیہ

(۲) جامی فاتحۃ الشباب - واسطۃ العقد - خاتمۃ الحیوٰۃ

خیر یہ سمجھ لو کہ حسن الفاظ پر ہم لوگوں کے بہت کان کھڑے ہوتے ہیں بھی انکے اوائل عمر یا جوانی کے کلام میں — منشی احمد حسن خاں صاحب میر تقی مرحوم کے شاگرد رشید تھے - انکی زبانی ڈپٹی کلکٹر حسین خاں صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ اکثر الفاظ جو میر صاحب پہلے دوسرے دیوان میں لکھ گئے ہیں - جو چوتھے پانچویں میں نہیں ہیں جو دوسری تیسری میں ہیں - وہ پانچویں چھٹے میں نہیں - بہرحال اخیر عمر میں انکی زبان کا اندازہ ہوگا جو کہ سید انشاء — مصحفی — جرأت کی زبان ہے و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال -

مرزا جان جاناں مظہر

اگرچہ مظہر کے جوش و خروش اور کثرت کلام کے باعث کے لحاظ سے میر اور سودا کے ساتھ انکا نام لیتے ہوئے تامل ہوتا ہے - لیکن چونکہ صانع قدرت نے طبیعت کی لطافت

اور اصلی

اور اصلی نفاست اور برتاؤ مین انداز کی خوبی اور خوب صورتی انکے مزاج
مین رچی ہوئی تھی - اور زمانہ بھی سب کا ایک تھا - اسکے علاوہ پرانے پرانے
تذکرہ نویس لکھتے ہین - بلکہ بزرگون کی زبان سے بھی یہی سنا کہ زبان کی اصلاح اور
انداز سخن اور طرز کی ایجاد مین انہین ویسا ہی حق ہے جیسا کہ سودا و میر کو -
اسواسطے انکا حال بھی اس سلسلہ مین لکھنا واجب ہے - انکے والد عالمگیر کے دربار
مین صاحب منصب تھے - نسب انکا باپ کی طرف سے محمد ابن حنفیہ رح سے ملتا ہے
وہ حضرت علی کے بیٹے تھے - ماں بیجاپور کے شریف گھرانے سے تھین - دادا بھی
دربار شاہی مین صاحب منصب تھے دادی اسد خان وزیر عالمگیر کی خالہ زاد بہن تھین
پردادا سے اکبر بادشاہ کی بیٹی منسوب ہوئی تھین ان رشتون سے تیموری خاندان
کے نواسے تھے - سنہ ۱۱۱۱ مین جبکہ عالمگیر دکن پر فوج لے پڑا تھا - انکے والد نوکری
چھوڑ کر دلی کو پھرے - بیچ کالا باغ علاقہ مالوہ مین - ۱۱ رمضان کو جمعہ کے
دن پیدا ہوے - عالمگیر کو خبر گذری - آئین سلطنت تھا کہ امرا کے ہان اولاد ہو
تو حضور مین عرض کرین - بادشاہ خود نام رکھین یا پیش کیے ہوے نامون مین
سے پسند کردین - کبھو خود بھی بیٹا یا بیٹی کر لیتے تھے کہ امور طرفین کے دلون
مین اتحاد اور محبت پیدا کر لیتے تھے اسکے لیے ایک وقت پر ترقی ہوتے تھے
- اور بادشاہونکو انسے وفاداری اور جان نثاری کی امید بندھی ہوتی تھین شادی
بھی اجازت سے ہوتی تھی کبھی ماں باپ کے تجویز کو پسند کرتے تھے کبھی خود تجویز
کر دیتے تھے عرض عالمگیر نے کہا کہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے - باپ مرزا جان جی
اسکا نام ہمنے جان جانان رکھا - پھر اگرچہ باپ نے شمس الدین نام رکھا مگر عالمگیری
نام کے سامنے نہ چمکا - مظہر - تخلص انھون نے آپ کیا کہ جان جانان کے ساتھ
مشہور جوڑ آتا ہے - مرزا جان جی بھی شاعر تھے اور جانی تخلص کرتے تھے

۱ تذکرہ گلزار ابراہیم مین ہے کہ انکا وطن اکبر آباد تھا دلی مین آ رہے تھے

۱۶ برس کی عمر تھی کہ باپ مر گئے۔ اور اسیوقت سے مشت خاک کو بزرگوں کے گوشۂ دامن میں
باندھ دیا۔ ۳۰ برس کی عمر تک مدرسوں اور خانقاہوں میں جھاڑو دی۔ اور جو دن بہار
زندگی کے حصول ہوتے ہیں۔ انہیں بزرگوں کے روضوں پر چڑھا دیا۔ اس عہد میں تصوف
کے خیالات ابر کی طرح ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ قطع نظر کمال شاعری کے
ہزارہا مسلمان بلکہ ہندو بھی انکے مرید تھے اور دل سے اعتقاد رکھتے تھے۔ انکے باب میں
بہت سے لطایف ایسے مشہور ہیں۔ کہ اگر آج کسی میں پائے جائیں تو زمانہ کے لوگ اچھا نہ سمجھیں گے
لیکن وہ ایک زمانہ تھا کہ صفات مذکورہ داخل فضایل تھیں۔ کچھ تو اس اعتقاد سے کہ

ع خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔

اور کچھ اس سبب سے کہ اگر ایک لطیف اور شفاف سطح پر کوئی داغ ہو اور وہ ایک عمدہ نظرگاہ
میں جلوہ گر ہو۔ تو وہاں وہ دھبا بدنما نہیں بلکہ گلکاری معلوم ہوتا ہے۔ اور جسے مرا
معلوم ہو وہ خوش عقیدہ نہیں۔ میں روسیاہ بزرگوں کی ہر بات کو چشم عقیدت کا سرمہ
سمجھتا ہوں۔ مگر مقتضائے زمانہ پر نظر کر کے نمونہ پر اکتفا کرنا چاہیے۔

وہ خود بیان کرتے تھے کہ حسن صورت اور لطف معنے کا عشق ابتدا سے میرے
دل میں تھا۔ چھوٹے سن میں بھی مصرع موزوں زبان سے نکلتے تھے۔ شیرخوارگی
کے عالم میں حسن کی طرف اس قدر میلان تھا کہ بدصورت کی گود میں نہ جاتا تھا۔
کوئی خوبصورت لیتا تھا۔ تو ہمک کر جا پڑتا تھا اور پھر اس سے لیتے تو مشکل آتا تھا۔

میر عبد الحی "تاباں"

انکے عہد میں۔ میر عبد الحی تاباں تخلص ایک نوجوان شریف زادہ حسن خوبی میں اس قدر شہرہ آفاق
تھا کہ خاص و عام اسکو یوسف ثانی کہتے تھے۔ گوری رنگت پر کالے کپڑے بہت زیب دیتے تھے

اسلیے

[illegible] پوش رہتا تھا۔ اسکے حسن کی یہانتک شہرت پھیلی کہ بادشاہ کو بھی دیکھنے کا
اشتیاق ہوا۔ معلوم ہوا کہ مکان حبش خان کے پھاٹک میں ہے۔ اور وہ بڑا دروازہ جو کوچہ
خدا یار سے بازار لاہوری دروازہ میں نکلتا ہے۔ اسکے کوٹھے پر نشست ہے۔ زمانہ کی ناشزادگی وقت کے
خیالات ہو دیکھنا چاہئے کہ بادشاہ خود سوار ہو کر اُس راہ سے نکلے۔ انہیں بھی خبر ہوگئی تھی
بنے سنورے اور بازار کیطرف ہودا بچھا کر آ بیٹھے۔ بادشاہ جب اس مقام پر پہنچے۔
توسلے کو ٹھہرالے تو ایک بہانہ ہو۔ وہاں آب حیات بلند مانگا۔ اور پانی پیکر دیکھتے ہوئے چلے گئے
الغرض تاباں خود صاحب دیوان تھے۔ **شاہ حاتم** اور میر محمد علی **حشمت** کے شاگرد تھے
اور مرزا صاحب کے مرید تھے۔ مرزا صاحب بھی چشم محبت اور نگاہ شفقت سے دیکھتے تھے
چنانچہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مرزا صاحب بیٹھے ہیں۔ اور انکی صحبت میں کہ جہاں کبھی وعظ
و ارشاد۔ اور کبھی نظم و اشعار کا جلسہ ہوتا تھا۔ تاباں بھی حاضر ہیں اور با ادب اپنے مرشد
کی خدمت میں بیٹھے ہیں۔ حضرت اگرچہ محفل ارشاد کے آداب سے گرمجوشی ظاہر نکرتے تھے
مگر معلوم ہوتا تھا کہ انہیں دیکھتے ہیں۔ اور مارے خوشی کے باغ باغ ہوئے جاتے ہیں
تاباں۔ بھی مزاجداں تھے۔ اشعار اور لطائف رنگین کہتے۔ حضرت سنکر خوش ہوتے
کوئی بات سب کے سامنے کہنے خلاف ادب ہوتی تو جو اہل خدمت میں ادب کا طریقہ ہے
اسی طرح دست بستہ عرض کرتے کہ کچھ اور بھی عرض کیا چاہتا ہوں۔ حضرت مسکرا کر اجازت دیتے
وہ کان کے پاس منہ لیجاتے اور چند کلمے چپکے سے گستاخانہ کہتے کہ سوا اس پیارے عزیز کے کوئی
نہیں کہہ سکتا جسے بزرگوں کی محبت نے گستاخ کیا ہو۔ بس حضرت مسکراتے اور فرماتے
یہ درست ہے۔ پھر وہ اسی قسم کی کچھ اور باتیں کہتے۔ آپ پھر فرماتے کہ یہ بالکل درست ہے

[1] شاہان دہلی کے کاروبار کے لئے الفاظ مخصوص مستعمل تھے۔ مثلاً پانی کو آب حیات۔ کھانے کو خاصہ۔ سونے کو سکھ فرمانا
شاہزادوں کے پانی کو آب خاصہ۔ اسیطرح ہزاروں اصطلاحی الفاظ تھے

جب **تاباں** اپنی جگہ پر آ بیٹھتے تو حضرت جو کہتے کہ ایک بات کا ہمیں خیال نہیں رہا۔ **تاباں** پھر کان کے پاس منہ لیجاتے۔ اُس وقت اس سے بھی تیز تر کوئی لطیفہ آپ اپنے حق میں لیتے تھے۔ اور اپنے پیارے عزیز کی مہربانی کا لطف حاصل کرتے

نہایت افسوس ہے کہ وہ پھول اپنی بہار میں لہلہاتا گر پڑا ورنہ یہ بڑے دلّی تر ہو جاتے

جہان سے نرالی ہے۔ جب اس یوسف ثانی نے عین نوجوانی میں جہان پر داغ دیا۔ تو تمام شہر نے اس کا سوگ کیا۔ میر تقی میر نے بھی اپنی ایک غزل کے مقطع میں کہا ہے

داغ ہے تاباں علیہ الرحمۃ کا چھاتی پہ میر ہو نجات اسکو بچارا ہمسے بھی تھا آشنا

مرزا صاحب کی تحصیل علمی عالمانہ نہ تھی مگر علم حدیث کو با اصول پڑھا تھا۔ حنفی مذہب کے ساتھ نقشبندی طریقہ کے پابند تھے۔ اور احکام شریعت کو صدق دل سے ادا کرتے تھے اوضاع و اطوار اور آداب نہایت سنجیدہ اور برجستہ تھے کہ جو شخص انکی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ ہشیار ہو کر بیٹھتا تھا۔ لطافت مزاج اور سلامتی طبع کی نقلیں ایسی ہیں کہ آج سنکر تعجب آتا ہے۔ خلاف وضع اور بے اسلوب حالت کو دیکھہ نہ سکتے تھے

نقل ایک دن درزی ٹوپی سی کر لایا۔ اُسکی تراش ٹیڑھی تھی۔ اُس وقت دوسری ٹوپی موجود نہ تھی اسلئے اسی کو پہننا پڑا۔ مگر سر میں درد ہونے لگا۔

نقل جب چارپائی میں کان ہو۔ اُس پر بیٹھا نہ جاتا تھا گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے چنانچہ دلّی دروازہ کے پاس ایک دن ہوادار میں سوار چلے جاتے تھے۔ راہ میں ایک بنئے کی چارپائی کے کان پر نظر جا پڑی۔ وہیں ٹھیر گئے اور جب تک اُس کا کان نہ نکلوا لیا آگے نہ بڑھے۔ البتہ انکی شاعری ایسی ہے

آب ... شعر سند رہے صفحہ ۱۰ اور تہذیب آنکھ دکھاتی تھی مگر کہا کہ
ان باتوں پر اور خصوصاً انکے ... تو انکی ... فاہر ہے بانے حیرے
... صفائی ... اور طراری کا ... اگر صوف ربا نکو ظاہر کرے

نقل - ایک دن ایک نواب صاحب کہ انکے خاندان کے مرید تھے - ملاقات کو آئے اور خود
صراحی لیکر پانی پیا - اتفاقاً انھون نے جو رکھا تو بے ٹھکانے رکھا - مرزا کا مزاج اسقدر برہم ہوا کہ
ہرگز ضبط نہ ہو سکا اور بگڑ کر کہا کہ عجب بیوقوف احمق تھا جسنے تمہین نواب بنا دیا - انکو ابھی
صراحی پر رکھنا نہین آتا

نقل مولوی غلام یحییٰ - فاضل جلیل - جنہوں نے میر زاہد پر حاشیہ لکھا ہے
بہ ارادت غیبی مرزا کے مرید ہونے کو دلی مین آئے داڑھی بہت بڑی اور بہت گھنی تھی
جمعہ کے دن جامع مسجد مین ملے اور ارادہ ظاہر کیا - مرزا نے انکی صورت کو غور سے دیکھا
اور کہا کہ اگر مجھ سے بیعت کیا چاہتے ہین تو پہلے داڑھی کو ترشوا کر صورت پہلے آدمیون کی
بنا کے پھر تشریف لایئے - اللہ جمیل و یحب الجمال - بھلا یہ ریچھ کی سی صورت مجکو اچھی
نہین معلوم ہوتی تو خدا کو کب پسند آئیگی - ملا متشرع آدمی تھے گھر مین بیٹھ رہے
[illegible] دن تک برابر خواب مین دیکھا کہ بغیر مرزا کے تمہارا عقدہ دل نہ کھلیگا - آخر
بچارے نے داڑھی حجام کے سپرد کی اور جیسا خشخشی خط مرزا صاحب کا تھا ویسا ہی
کتر کر مریدون مین داخل ہوئے

اسی لطافت مزاج اور نزاکت طبع کا نتیجہ ہے کہ زبان کی طرف توجہ کی اور اُسے اب ترشا
جو شعرا پہلے گزرے تھے انہین پیچھے ہی چھوڑ کر اپنے عہد کا طبقہ الگ کر دیا -
اہل زبان کو نیا نمونہ تراش کر دیا - جس سے پرانا رستہ ایہام گوئی کا انکے شعر سے مٹ گیا
انکے کلام مین مضامین عاشقانہ عجب ترتیب دکھاتے ہین اور یہ مقام تعجب نہین - کیونکہ وہ
درحقیقت عاشق مزاج تھے - اوروں کے کلام مین یہ مضامین خیال ہین انکے اصل حال - زبان انکی

[illegible] اہل وطن کے خیالات پر جنھون نے ایسی ایسی لطافت طبع کی باتین دیکھکر [illegible] المطرہ اور سر ہلایا
[illegible] صبح و ملیح [illegible] یا شاید ایسا ہی ہو - عالم الغیب خدا ہے

نہایت صاف و شستہ و شفاف ہے۔ اُس وقت کے محاورہ کی کیفیت کچھ انکے اشعار سے
اور کچھ اُس گفتگو سے معلوم ہوگی جو ایکدفعہ بروقت ملاقات اُنسے اور سید انشا سے ہوئی
چنانچہ اصل عبارت دریاے لطافت سے نقل کیجاتی ہے۔

سید انشا اللہ خان اور مرزا جانجان مظہر کی ملاقات

درزمانیکہ راقم مذنب ہمراہ والد مرحوم مغفور وارد دارالخلافہ بود۔ از بسکہ آوازۂ فصاحت
و بلاغت جناب فیض مآب مرزا جان جانان مظہر علیہ الرحمۃ گوش زد راقم المقر
خود داشت۔ دل بادیدہ مستعد ستیزہ شد کہ چرا از دیدار مرزا صاحب خود را
اینہمہ محروم می پسندی۔ و مرا از لذت جاودانی و عیش روحانی کہ در کلام معجز
نظام آنحضرت است باز میداری۔ چار ناچار خط را تراش دادہ۔ و جامہ ململ ڈھاکہ
پوشیدہ۔ و دستار سرخ باندھنو بر سر گذاشتم و دیگر لباس ہم ازین قبیل۔ و از سلاح آنچہ
باخود گرفتم۔ کتالیبا خوبی بود کہ بکمر زدہ بودم۔ باین ہیئت بسواری فیل روانہ خدمت
سراپا افادت ایشان شدم۔ چون بالاے بام کہ کیول رام بانیہ متصل مسجد جامع ساختہ
پیشکش مرزا صاحب کردہ بود برآمدم۔ دیدم کہ جناب معزی الیہ پیراہن و کلاہ سفید
و دوپٹہ ناسپاتی رنگ بصورت سموسہ بر دوش گذاشتہ نشستہ اند۔ بکمال ادب سلامے
برایشان کردم۔ از فرط عنایت و کثرت مکارم اخلاق کہ شیوۂ ستودۂ بزرگان خدا پرست
بجواب سلام ملتفت شدہ برخاستند۔ و سر این بے لیاقت را در کنار گرفتہ
پہلوے خود جا دادند۔ مرزا صاحب کا ایک دیوان فارسی ہے کہ خود
۶۰ برس کی عمر سنہ ۱۱۷۰ ہجری میں ۲۰ ہزار شعر میں سے ایک ہزار شعر انتخاب کیا تھا اسواسطے
اکثر غزلیں ناتمام اور بے ترتیب ہیں۔ اسکو انتہاے درجہ کی منصفی اور سلامتی طبع
اُس صحبت میں جو گفتگو ہوئی صفحہ ۲۲ میں لکھی گئی ہے
سمجھنا چاہیے

سمجھنا چاہئے - ورنہ آپنے اشعار کو اولاد معنوی سمجھتے ہیں - کیسا جگر ہے کہ اپنے ہاتھ سے کاٹے - فارسی بھی بہت شستہ ہے اور مضامین عاشقانہ ایک انداز سے ساتھ بندھے ہین

مرا چہ جرم کہ از ناکام ناموزونی | غلط کنند عزیزان بمصرع اوستاد

اردو میں بھی پورا دیوان نہیں - غزلین اور اشعار ہیں جو سودا اور میر کی زبان وہی تکی زبان ہے - لیکن سودا بھلا کسے خاطر میں لاتے تھے چنانچہ سب آداب اور رعایتوں کو بالائے طاق رکھکر فرماتے ہین -

مظہر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ | سودا یقین جان کہ روڑا ہے باٹ کا

آگاہ فارسی تو کہیں اسکو ریختہ | واقف جو ریختہ کے ذرا ہووے ٹھاٹھ کا

سنکر وہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ ہے یہ | اور ریختہ بھی ہے تو فروشا دلی اراٹ کا

القصہ اسکا حال بھی ہے سیچ کہون | کتا ہے دھوبی کا کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

خریطہ جواہر - ایک مختصر انتخاب ساتذہ فارس کے اشعار کا ہے کہ اپنے پسند کے بموجب لکھتے گئے تھے - ہے ہنر و حقیقت میں خریطہ جواہر ہے

حملہ صحرا سے فنا میں ۹۷ منزلین عمر کی طے کر کے ۸۰ میں قدم رکھا تو دل کو آگاہی ہونے لگی کہ اب روح کا فریدن کا بوجھ سنبھالنا چاہتا ہے - چنانچہ خود اکثر تحریرون اور تقریرون میں صاف صاف اظہار کرتے تھے

نقل - ایک معتقد کا بیٹا حسن اعتقاد سے غزل لیکر آیا کہ نشاگرد ہو اور اصلاح لے - انہون نے کہا کہ اصلاح کیسے ہوش حواس کسے ہین - اب عالم کچھ اور ہے - عرض کی کہ میں فقط بطور تبرک استاد نشاخص کرنا چاہتا ہون - فرمایا کہ اسوقت ایک شعر خیال میں آیا ہے اسی کو تبرک

[illegible]

اور اسیکو اصلاح سمجھ لو۔

لوگ کہتے ہیں مرگیا مظہر — فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

غرض سب تین محرم کی تھی کہ رات کے وقت ایک شخص مٹھائی کی ٹوکری ہاتھ میں لئے آیا
دروازہ بند تھا۔ آواز دی اور ظاہر کیا کہ مرید ہوں۔ نذر لیکر آیا ہوں۔ وہ باہر نکلے
تو ایک قرابین ماری کہ گولی سینہ کے پار ہوگئی۔ وہ تو بھاگ گیا۔ مگر نہیں زخم کاری آیا
تین دن تک زندہ رہے۔ اس عالم اضطراب میں لوٹتے تھے اور اپنا ہی شعر پڑھتے تھے

بنا کردند خوش رسمی بخون و خاک غلطیدن — خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

یہ تین دن نہایت استقلال و ثابت قدمی سے گذارے۔ بلکہ جب شاہ عالم بادشاہ کو
خبر پہنچی تو بعد تحقیقات کے کہلا بھیجا کہ قاتل نہیں ملتا۔ نشان دو تو ہم اسے سزا دیں
جواب میں کہا کہ فقیر کشتۂ راہ خدا ہیں۔ اور مردہ کا مارنا قتل نہیں۔ قاتل ملے تو آپ
سزا نہ دیں۔ یہاں بھیجدیں۔ آخر دسویں کو شام کے وقت دنیا سے انتقال کیا۔ بہت
لوگوں نے تاریخیں کہیں۔ مگر درجہ اول پر میر قمر الدین منت کی تاریخ ہے۔ چونکہ
مادۂ خاص الفاظ حدیث ہیں۔ اور اتفاق یہ کہ موزوں ہیں — عاش حمیداً مات شہیداً
اس قتل کا سبب دلی کے خاص و عام میں مشہور تھا کہ بموجب رسم کے ساتویں کو علم
اٹھے تھے۔ یہ سر راہ اپنے بالاخانہ پر خاص خاص مریدوں کو لے بیٹھے تھے۔ جب کہ علم
جہلا کی عادت ہے شاید ان میں سے کچھ طعن تعرض ہوئے ہوں۔ وہ کسی جاہل کو
ناگوار ہوئے انہیں کوئی سنگدل فولاد خان نام۔ سخت جاہل تھا اسنے یہ حرکت کی

لیکن

لیکن حکیم قدرت اللہ خان قاسم اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علی کی مدح میں لکھا کرتے تھے۔ اور سیر بگیر کر کسی سنی نے یہ حرکت کی۔

بہر مظہر ما طاعتے و رفت بخاک ۔ نجات خود بہ تولائے بوتراب گذشت

چد مرحوم ایک اردو کا شعر انکے نام سے پڑھا کرتے ہے

ہوں تو سنی پر علی کا صدق دل سے ہوں غلام ۔ خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

دلی میں چتلی قبر کے پاس گھر ہی میں دفن کر دیا تھا۔ کہ اب خانقاہ بستی ہے۔ قبر پر انہی کا شعر لکھا ہے

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے ۔ کہ این مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

تاریخ مرزا رفیع سودا نے بھی کہی

مرزا کا ہوا جو قاتل ایک مرد شوم ۔ اور انکی ہوئی خبر شہادت کی عموم

تاریخ از روے ۔ درد یہ سیکے کہی ۔ سودا نے کہ ہئے جانجاناں مظلوم

اس لکھنے سے مجھے اظہار اس امر کا منظور ہے کہ ہجو ہماری نظم کی ایک خاردار شاخ ہے جسکے پھل سے جھول تک بے لطفی بھری ہے۔ اور اپنی زمین اور دہقان دونو کی کثافت طبع پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ اسمیں بھی مرزا رفیع مرحوم سب سے زیادہ بدنام ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ انکی زبان سے جو کچھ نکلتا تھا۔ باعث اسکا یا فقط شوخی طبع یا کوئی عارضی جوش ناراضی کا ہوتا تھا۔ اور زیادہ کثافت فقط اتنا ہوتا تھا کہ جب الفاظ کا غبار آجاتے تھے تو دل صاف ہوجاتا تھا[٢]۔ چنانچہ تاریخ مذکور کے الفاظ دل کی صفائی کا حال ظاہر کرتے ہیں۔

عجب مشکل ہے۔ حکیم صاحب بھی ایک جوش اعتقاد سنت جماعت تھے وہ کہتے ہیں سنی نے مارا۔ لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ نے مارا۔ خیر۔ سنی شیعہ اسمیں سمجھ لیں۔ میرا کام اتنا ہی تھا۔ جو کچھ پایا کاغذ کے حوالہ کیا۔ [٢] دیکھو سودا کے حال میں انکا اور مرزا فاخر مکین کا جھگڑا صفحہ ١٨١ اور سید انشا کے حال میں مشاعرہ دہلی کا معرکہ

ہمارا زمانہ ایسے مہذب اور شائستہ لوگوں سے آراستہ ہے کہ لفظ ہجو کو گالی سمجھتے ہیں مگر دلوں کا مالک اللہ ہے۔ انکے شاگردوں میں میر محمد باقر حزیں۔ میر محمدی بیدار۔ خواجہ احسن اللہ خان بیان انعام اللہ خان یقین مشہور۔ صاحب دیوان۔ اور اچھے شاعر ہوئے۔ انکی غزلیں تمام و کمال نہ ملیں۔ جو کچھ سردست حاضر تھا۔ درج کیا

چلی اب گل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا ۔ نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے ۔ اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا
الم سے یہاں تلک روئیں کہ آخر ہو گئیں رسوا ۔ ڈبایا ہائے آنکھوں نے مژہ کا خاندان اپنا
رقیباں کی نہ کچھ تقصیر ثابت ہے نہ خوباں کی ۔ مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشق بدگماں اپنا
مرا جی جلتا ہے اس بلبل بیکس کی غربت پر ۔ کہ جن نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا
جو تو نے کی سو دشمن بھی نہیں دشمن سے کرتا ہے ۔ غلط تھا جانتے تھے تجھکو جو ہم مہرباں اپنا
کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کو اے ظالم ۔ کہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جان جاں اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا ۔ لیکن اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
لوگ کہتے ہیں ہوا مظہر بیکس افسوس ۔ کیا ہوا اسکو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا

جواں مارا گیا خوباں کے بدلے مرزا مظہر ۔ بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

ہمنے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار ۔ ہائے بس چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور ۔ کیا قیامت ہے موؤں کو بھی ستاتی ہے بہار
شاخ گل ہلتی نہیں یہ بلبلوں کو باغ میں ۔ ہاتھ اپنے کے اشارے سے بلاتی ہے بہار

یہ کب عشق کے قائل رہا ہے ۔ کہاں اسکو دماغ و دل رہا ہے

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — ابھی ایک شہر میں قاتل رہا ہے
نہیں آتا اسے تکیہ پہ آرام — یہ سر پاؤں سے تیرے مل رہا ہے
اگر ملے تو غنیمت ہے وگرنہ دور ہے تو قیامت ہے — غرض نازک و نازک کو محبت سے دل آفت ہے
کوئی ہووے دل اپنے کی خبر یا دلبر اپنے کی — کسی کا یار حبیب عاشق کہیں ہو کیا قباحت ہے
توفیق دے کہ شور سے اب دم تو غنیمت ہے — آخر مرا یہ دل ہے آپ کی حرص نہیں

غزلہائے تاباں

نہیں کوئی دوست اپنا یار اپنا مہرباں اپنا — سناؤں کس کو غم اپنا الم اپنا بیاں اپنا
بہت چاہا کہ آوے یار یا اس کو صبر آوے — نہ یار آیا نہ صبر آیا دیا جی میں نے جاں اپنا
قفس میں تڑپتے ہیں یہ بند بالیاں سخت بے پر میں — نہ گلشن تک پہنچ سکتے ہیں نہ یہ آپ آشیاں اپنا

مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پہ اے تاباں
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جاں اپنا

رہتا ہوں جا کے خون میں سدا لوٹتا ہوا — میرے غریب دل کو الٰہی یہ کیا ہوا
میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح — یارب کبھو خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا
ناصح عبث نصیحت بیہودہ تو نہ کر — ممکن نہیں کہ چھوٹ سکے دل لگا ہوا

ہم بیکسی پہ اپنی نہ رو دیں تو کیا کریں
دل سا رفیق ہائے ہمارا جدا ہوا

جفا سے اپنے پشیمان نہ ہو۔ ہوا سو ہوا — تری بلا سے میرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا — کہا کہ اب تو اسے گاڑ دو ہوا سو ہوا

یہ درد عشق ہے میرا نہیں علاج طبیب
ترا لعل دوا ہین کرے ہوا سو ہوا

بھلے برے کی ترے عشق مین اورا دی شرم
ہمارے حق مین کوئی کچھ کہو ہوا سو ہوا

بنا ہی خاک بھی تاباں کی پیچھے ظالم
وہ ایکدم بی ترے روبرو ہوا سو ہوا

سن فصل گل خوشی ہو گلشن مین آسمان مین
کیا بلبلوں نے دیکھو ہو مین مچایاں ہین

بیمار ہے زمین سے اٹھتے نہین عصایان
نرگس کو تم نے شاید انکھین دکھایاں ہین

آئینہ روبرو رکھ اور اپنی چھب دکھاتا
کیا خودپسندیاں ہین کیا خودنمایاں ہین

دیکھے سے آئینہ بھی حیران ہے ترا رو
چہرہ کے بیچ تیرے کیا کیا صفایاں ہین

خورشید گر کہوں مین تو جان ہے وہ پیارا
جو مہ کہوں ترا رو اس پر تو چھایاں ہین

جب پان کھا کے پیارا گلشن مین جانکلے
بے اختیار کلیان تب کھل کھلایاں ہین

لیتے تھے ہم کسی سے تم بن نہین ملین گے
اب کسکے ساتھ پیارے وے کی لڑویاں ہین

عاشق سے گرم ملنا پھر بات بھی نہ کہنا
کیا بے مروتی ہے کیا بیوفایاں ہین

افسوس اے صنم تم ایسے ہوے ہو ابتر
ملتے تو غیر سے جا ہم سے روکھایاں ہین

قسمت مین دیکھین کیا ہے جیتے ہین کر مر جاین
قاتل سے ہم نے یارو آنکھین لڑایاں ہین

اب مہربان ہوا ہے تاباں ترا ستمگر
آئین تری کسی نے شاید بنایاں ہین

مرزا محمد رفیع سودا

سودا تخلص۔ مرزا رفیع نام۔ شہر دہلی کو انکے کمال سے فخر ہے۔ باپ مرزا محمد شفیع مرزایان کابل سے تھے۔ بزرگوں کا پیشہ سپہ گری تھا۔ مرزا شفیع بطریق تجارت وارد ہندوستان ہوے۔ ہند کی خاک دامنگیر نے ایسے قدم پکڑے کہ یہیں رہے۔ بعض کا قول ہے کہ باپ کی سوداگری سودا کے لئے وجہ تخلص ہوی۔ لیکن بات یہ ہے کہ ایشیا کے شاعر ملک میں عشق کا دم بھرتے ہیں اور سودا اور دیوانگی عشق کے ہمراہ ہیں اسلئے وہ بھی ان لوگوں کے لئے باعث فخر ہے چنانچہ اس لحاظ سے سودا تخلص کیا۔ اور سوداگری کی بدولت ایہام کی صنعت رونق میں آی

سودا سنہ ۱۱۲۵ ہجری میں پیدا ہوے۔ دہلی میں پرورش اور تربیت پائی۔ کابلی دروازہ کے علاقہ میں انکا گھر تھا۔ ایک بڑے پھاٹک میں نشست رہتی تھی۔ وہ دروازہ تباہی دہلی میں تباہ ہوا۔ شیخ ابراہیم ذوق علیہ الرحمۃ اکثر ادھر ٹہلتے ہوے جا نکلتے تھے میں بھی ساتھ ہوتا تھا۔ مرزا کے وقت کے حالات اور مقالات کے ذکر کرکے قدرت خدا کو یاد کیا کرتے تھے

سودا بموجب رسم زمانہ کے سلیمان قلیخان وداد* کے۔ پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوے شاہ موصوف نے بھی اپنے دیوان کے دیباچہ میں جو شاگردوں کی فہرست لکھی ہے اسمیں مرزا کا نام اسطرح لکھا ہے جس فخر کی خوشبو آتی ہے۔ خوش نصیب اس استاد کی جسکی گود میں ایسا شاگرد پلکر بڑا ہو۔ خان آرزو کے شاگرد نہ تھے مگر انکی

---

* مرزا محمد زمان عرف سلیمان قلیخان کے دادا اصفہان سے آئے تھے۔ یہ دلی میں پیدا ہوے نواب [illegible] کے ساتھ اعزاز سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ۳۰۰ روپیہ مہینا پاتے تھے اور شعر کہکر دل خوش کیا کرتے

دیکھو مصحفی کا شعرائے فارسی کا تذکرہ

صحبت سے فایدے بہت حاصل کئے - چنانچہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے - خان آرزو نے کہا کہ مرزا فارسی اب تمہاری زبان مادری نہیں - اسمیں ایسے نہیں ہو سکتے کہ تمہارا کلام اہل زبان کے مقابل میں قابل تعریف ہو - طبع موزون ہے - شعر سے نہایت مناسبت رکھتی ہے - تم اردو کہا کرو تو یکتائے زمانہ ہوگی - مرزا بھی سمجھ گئے اور مرد عاقل استاد کی نصیحت پر عمل کیا - غرض طبیعت کی مناسبت اور مشق کی کثرت سے تھوڑے ہی عرصہ میں شہر میں انکی استادی کے لئے خاص و عام نے اقرار کرلیا کہ انکے سامنے ہی انکی غزلیں گھر گھر اور کوچہ و بازار میں خاص و عام کی زبانوں پر جاری تھیں

جب کلام کا شہرہ عالمگیر ہوا تو شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لئے دینے لگے اور فرمائشیں کرنے لگے - ایک دن کسی غزل کے لئے تقاضا کیا - اور انہوں نے عذر بیان کیا - حضور نے فرمایا - بھئی کیسے غزلیں روز کہہ لیتے ہو - مرزا نے کہا - پیر و مرشد جب طبیعت لگ جاتی ہے - دو چار شعر کہہ لیتا ہوں - حضور نے فرمایا - بھئی ہم تو پاخانہ میں بیٹھے بیٹھے چار غزلیں کہہ لیتے ہیں - مرزا نے ہاتھ باندھ کر عرض کی - حضور ویسی بو بھی آتی ہے - یہ کہکر چلے آئے - بادشاہ نے بہت دفعہ بلا بھیجا اور کہا کہ ہماری غزلیں بناؤ ہم تمہیں ملک الشعرا کر دینگے - یہ نہ گئے اور کہا کہ حضور کی ملک الشعرائی سے کیا ہوتا ہے - کریگا تو میرا کلام ملک الشعرا کریگا - پھر ایک بڑا مخمس شہر آشوب لکھا ع کہا میں آج یہ سودا سے کیوں ہے ڈانواں ڈول - لوگ در ظاہر میں کہتے ہیں کہ بادشاہ اور دربار بادشاہ کی ہجو کی ہے - غور سے دیکھو تو ملک کی دلسوزی نے اپنے وطن کا مرثیہ کہا ہے

مرزا دل شکستہ ہوکر گھر میں بیٹھ رہے - قدردان موجود تھے - کچھ پروا نہوئی

ابتک

خصوصاً اکثر رؤسا و امرا خصوصاً مہربان خان اور بسنت خان خواجہ سرا تھے۔ چنانچہ بسنت خان میں جنکی تعریف میں قصیدہ لکھا ہے

کل حرص نام شخصے سودا پہ مہرباں ہو ۔۔۔ بولا لقب ترے سے دولت جہاں ہو

حرص کی زبانی دنیا کی دولت اور نعمتوں کا ذکر کر کے خود کہتے ہیں کہ اے حرص!

جو کچھ کہا ہے تو نے مجھکو سب مبارک ۔۔۔ ہیں اور میرے سر پر میر بسنت خان ہو

ان لوگوں کی بدولت ایسی فارغ البالی سے گذرتی تھی کہ انکے کلام کا شہرہ سنکر **نواب شجاع الدولہ** نے **لکھنؤ** میں سننے کو کمال اشتیاق سے۔ برادرانہ شوق مہربان میں لکھکر خط معہ خرچ سفر بھیجا اور طلب کیا۔ انہیں دلی کا چھوڑنا گوارا نہ ہوا جواب میں فقط اس رباعی پر حسن معذرت کو ختم کیا۔

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک ۔۔۔ آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک

حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے ۔۔۔ بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

کئی برس کے بعد وہ قدر دان مر گئے زمانے بدل گئے۔ سودا بہت گھبرائے۔ اس عہد میں ایسے تباہی زدوں کے لئے دو ٹھکانے تھے۔ لکھنؤ یا حیدرآباد۔ لکھنؤ بہ نسبت اور فیض و سخاوت کی گنگا بہہ رہی تھی۔ اسلئے جو دلی سے نکلتا تھا ادھر ہی رخ کرتا تھا اور اتنا سمجھ پاتا تھا کہ پھر دوسری طرف خیال نہ جاتا تھا۔ اسوقت حاکم بلکہ دانا ان کے محکوم بھی جو بات کے کمال تھے۔ نکتہ کو کتاب کے مولوں خریدتے تھے۔

غرض ۶۰ یا ۶۶ برس کی عمر میں دلی سے نکلکر چند روز **فرخ آباد** میں نواب بنگش خان کے پاس رہے۔ انکی تعریف میں بھی کئی قصیدے موجود ہیں وہاں سے ۱۱۸۵ھ میں لکھنؤ پہنچے۔ نواب شجاع الدولہ کی ملازمت حاصل کی وہ بہت اعزاز سے ملے اور انکے آنے پر کمال خورسندی ظاہر کی لیکن باتوں باتوں بے تکلفی سے باطنز سے اتنا کہا کہ

کہ مرزا دو رباعی تمہاری اب تک میرے دل پر نقش ہے اور اُسی کو مکرر پڑھا۔ اپنے
اپنے حال پر بڑا رنج ہوا اور بپاس وضعداری پھر دربار نہ گئے۔ یہانتک کہ شجاع الدولہ
مر گئے۔ اور آصف الدولہ مسند نشین ہوئے۔

لکھنؤ میں مرزا فاخر مکین زبان فارسی کے مشہور شاعر تھے۔ اُنسے اور مرزا رفیع سے بگڑی
...ہ جھگڑے نے اب طول کھینچا کہ نواب آصف الدولہ کے دربار تک نوبت پہونچی (عنقریب اسکا
...ن تفصیل بیان کیا جائیگا) انجام یہ ہوا کہ علاوہ انعام و اکرام کے چھ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ہو گیا
...ر نواب نہایت شفقت کی نظر فرمانے لگے۔ اکثر حرم سرا میں خاصہ پر بیٹھے ہوتے۔ اور مرزا کی
اطلاع ہوتی فوراً باہر نکل آتے تھے۔ شعر سنکر خوش ہوتے اور انہیں انعام سے خوش کرتے تھے
...تک مرزا زندہ رہے نواب مغفرت مآب اور اہل لکھنؤ کی قدردانی سے ہر طرح فارغ
البال رہے تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں ۱۱۹۵ھ میں دنیا سے انتقال کیا۔ شاہ عالم زندہ تھے
سنکر بہت روئے اور کہا کہ افسوس ہمارا پہلوان سخن مر گیا۔

حکیم قدرۃ اللہ خان قاسم فرماتے ہیں کہ اواخر عمر میں مرزا نے دلی چھوڑی۔ تذکرہ
...ی ہے کہ ۶۶ برس کی عمر میں گئے۔ تعجب ہے کہ مجموعۂ سخن جو لکھنؤ میں لکھا گیا
...میں ہے کہ مرزا عالم شباب میں وارد لکھنؤ ہوئے۔ غرض چونکہ شجاع الدولہ ۱۱۸۸ھ
میں فوت ہوئے۔ تو مرزا نے کم و بیش ۷۰ برس کی عمر پائی۔
...کے بعد کمال بھی خاندان سے نیست و نابود ہو گیا۔ راقم آثم ۱۸۵۸ء میں لکھنؤ گیا
...ی تلاش کے بعد ایک شخص ملے کہ انکے نواسے کہلاتے تھے۔ بچارے پڑھے لکھے بھی تھے

...مرالدین نے تاریخ کہی ع بولے مصحفی دو کرپانے عنا و۔ شاعران ہند کا سردار گیا ۱۱۹۵ھ۔ ہم
...نے کہا ع سودا کجا و آن سخن دلفریب ۱۱۹۳ھ۔ میر قمرالدین منت نے کہا ع گفت گوہر معنی یتیم شد بے
۱۱۹۵ھ

ادبیات اشتغال بھی سچ ہے ۔ براءت پدر خواہی علم پدر امور ۔ میر نے محاوروں سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو ستر یا نظم اور انشاء اردو کا دستور العمل ہے ۔ اول قصاید اردو بزرگان دین کی مدح میں اور اہل دول کی تعریف میں ہیں ۔ اسیطرح چند قصاید فارسی ۔ ۲۴ مثنویاں ہیں ۔ بہت سی حکایتیں اور لطایف منظوم ہیں ۔ ایک مختصر دیوان فارسی کا تمام و کمال ۔ دیوان ریختہ جسمیں بہت سی لاجواب غزلیں ۔ اور مطلع ۔ رباعیاں ۔ مستزاد ۔ قطعات ۔ تاریخیں ۔ پہیلیاں واسوخت ۔ ترجیع بند ۔ مخمس ۔ سب کچھ لکھا ہے ۔ اور ہر قسم کے نظم میں ہجویں ہیں کہ جو انکے مخالفوں کے دل و جگر کو کبھی خون اور کبھی کباب کرتی ہیں ایک

تذکرہ شعرائے اردو کا ہے اور وہ نایاب ہے ۔

غزلیں اردو میں پہلے سے بھی لوگ کہہ رہے تھے مگر دوسرے طبقہ تک اگر سودا نے کچھ مدح میں کہا ہے تو ایسا ہے کہ اسے قصیدہ نہیں کہہ سکتے ۔ پس اول قصاید کا کہنا اور پھر اس دھوم دھام سے اعلے درجہ فصاحت و بلاغت پر پہنچانا انکا پہلا فخر ہے ۔ وہ اس میدانمیں فارسی کے نامی شہسواروں کے ساتھ عنان در عنان ہی نہیں گئے ۔ بلکہ اکثر میدانمیں آگے نکل گئے ہیں ۔ انکے کلام کا زور و شور انوری اور خاقانی کو دباتا ہے ۔ اور نزاکت مضمون میں عرفی و ظہوری کو شرماتا ہے

مثنویاں ۲۴ ہیں اور اکثر حکایتیں اور لطایف وغیرہ ہیں وہ سب نظم اور فصاحت کلام کے اعتبار سے انکا جوہر طبعی ظاہر کرتے ہیں ۔ مگر عاشقانہ مثنویاں انکے مرتبہ کے لائق نہیں ۔ میر حسن مرحوم کو کیا ۔ میر صاحب کے شعلہ عشق ۔ اور دریائے عشق کو بھی نہیں پہنچیں

فارسی کے مختصر دیوان میں سب ردیفیں پوری ہیں ۔ زور طبع اور اصول شاعرانہ سب قایم ہیں ۔ صایب کا انداز ہے مگر تجربہ کار جانتے ہیں کہ ایک زبان کی مشق اور

اوقت دہلی کی زبان کے اعلیٰ درجہ کمال پر پہنچنے میں سنگ راہ ہوتی ہے۔ چنانچہ
یخ مصحفی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔ آخر آخر خیال شعر فارسی ہم بہمرسانیدہ مگر
فہم و عقلش این امر بعید بود کہ کرد۔ غرض غزلہائے فارسی خود نیز کہ در لکھنؤ گفت
بہ ردیف ترتیب دادہ داخل دیوان ریختہ نمودہ۔ و این ایجاد اوست۔

دیوان ریختہ (وقت کی زبان سے قطع نظر کر کے) باعتبار جوہر کلام کے سراپا مرصع ہے۔
بہت سی غزلیں و عجیب اور ردیف بحروں میں ہیں کہ اسوقت تک اردو میں نہیں آئی تھیں۔
بنیں سنگلاخ ہیں۔ اور ردیف قافیے بہت مشکل۔ مگر جس پہلو سے انہیں جما دیا ہے
ہے جمے ہیں۔ کہ دوسرے پہلو سے کوئی بٹھائے تو معلوم ہو۔

بی کلام کے ساتھ ظرافت جو انکی زبان سے ٹپکتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بڑھاپے
شوخی طفلانہ انکے مزاج میں اُمنگ دکھاتی تھی۔ مگر ہجوؤں کا مجموعہ جو کلیات میں ہے
سکا ورق ورق ہنسنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر کی کیاریاں ہیں۔ اُسے معلوم ہوتا ہے
طبیعت کی شگفتگی اور زندہ دلی کسیطرح کے فکر و تردد کو پاس نہ آنے دیتی تھی۔ گرمی اور مزاج
تیزی غضب کا حکم رکھتی تھی۔ اور اس شدت کے ساتھ کہ نہ کوئی انعام اُسے بجھا سکتا تھا
نہ کوئی خطر اُسے دبا سکتا تھا۔ نتیجہ اسکا یہہ تھا کہ ذرا سی ناراضی میں بے اختیار ہو جاتے تھے
بس نہ چلتا تھا۔ جھٹ ایک ہجو کا طومار تیار کر دیتے تھے۔

غلام انکا غلام تھا۔ ہر وقت خدمت میں رہتا تھا اور ساتھ قلمدان لیے پھرتا تھا جیسی کسی
سے بگڑی تو فوراً پکارتے۔ ارے غنچہ لا تو قلمدان۔ ذرا ان کی خبر تو لوں۔ یہ مجھے سمجھا کیا ہے
شرم کی آنکھیں بند۔ اور بے حیائی کا منہ کھول کر وہ وہ بے نقط سنائے تھے کہ شیطان
امان مانگے

فارسی دو ذخیرہ دار اردو کے ہیں۔ ان کے خزانوں میں ہجوؤں کے تھیلے
بھرے ہیں

بھرے ہیں مگر اسوقت تک اردو کے شاعر صرف ایک دو شعروں میں دل کا غبار نکال

لیتے تھے - یہ زمانہ کہ جس سے ہجو ایک پوٹا تھا اس باغ شاعری کا ہو گئی -

دنیا کی خوبیاں ہیں - عالم - جاہل - فقیر - امیر - نیک - بد - کسی کی داڑھی اُنکے

ہاتھ سے نہیں بچی - اس طرح ہجے پڑتے تھے - کہ ان ان جان سے بیزار ہو جاتا تھا

مگر میر ضاحک - فدوی - مکین - بقا وغیرہ اہل کمال نے بھی اور

شہرت عام ایک نعمت ہے کہ وہ کسی کے اختیار میں نہیں - انہیں خدا نے دی -

وہ محروم رہے - مرزا نے جو کچھ لکھا ہے بچے بچے کی زبان پر ہے - انہوں نے جو کہا

وہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا : انہیں میں سے ایک شعر ہے کہ فدوی کی طبع

ﷺ میر ضاحک کا حال دیکھو صفحہ ۱۸۵ - فدوی ۱۵۸ - مکین ۱۶۸ - ۱۷۲ شاہ ہدایت سے جو لطیفہ ہوا دیکھو ۱۷۲

ﷺ بقا تخلص بقاء اللہ خاں نام اکبرآباد وطن تھا - دلّی میں پیدا ہوئے تھے - لکھنؤ میں جا رہے - حافظ لطف اللہ

خوشنویس کے بیٹے تھے - مرزا اور میر صاحب کے معاصر تھے - شاہ حاتم سے ریختہ کی اصلاح لی تھی - اور فارسی میں

مرزا قاسم کے شاگرد تھے - طبیعت فن شعر کے لیے مناسب تھی - پر دو زبان صاف - ایک مطلع انکا اہل سخن کے

جلسوں میں ضرب المثل چلا آتا ہے - ملاحظہ ہو - دیکھو صفحہ ۴۹۸ میر اور سودا - دونو کو خاطر میں نہ لاتے تھے - چنانچہ ایک جگہ

فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے	بس کہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونو صاحب کے	اے بقا ہم نے جب زیارت کی
کچھ نہ پایا سوائے اسکے سخن	ایک تو تو کہی ہے ایک ہی ہی

بقا کا حال باقی دیکھو صفحہ ۱۶۱ و ۳۴۷ و ۴۹۷

موزوں سے مرزا صاحب کی شان میں واقع ہوا

یکھو کٹ گئی ہے بیٹی کچھ کٹ گیا ہے ڈوڑا | قدم داب سامنے سے وہ اُدھر چلا نکورا

ع ہجو دا سے منسخرا ہے سودا اسے ہوا ہے -

مرزا نے راجہ نرپت سنگھ کے ہاتھی کی ہجو میں مثنوی کہی ہے۔ اسکے جواب میں بھی کسی شخص نے مثنوی لکھی ہے۔ اور خوب لکھی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں

تم اپنے فیل معنی کو لگا لو
مرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑا لو

فقیر نے لکھا ہے کہ دو ٹکریں چاہئے۔ مگر سید صاحب کی سینہ زوری ہے۔

دیوان میں ایک ساقی نامہ ہے جسمیں فوقی شاعر کی ہجو ہے۔ اصل میں غلام الدین نام۔ فدوی اصل میں ہندو تھے مکند رام نام تھا۔ مسلمان ہوگئے تھے۔ پنجاب وطن تھا۔ علم کم مگر طبیعت مناسب تھی۔ معرفت دیتے تھے۔ صابر علی شاہ کے شاگرد تھے۔ اور فقیرانہ وضع سے زندگی بسر کرتے تھے۔ مشاعروں میں نہ تو کبھی بیٹھتے۔ کبھی کھڑے ہی کھڑے غزل پڑھتے اور چلے جاتے تھے۔ جب انہوں نے شاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھا تو بادشاہ نے ہزار روپیہ لقب بو العفو اور ملوا الکلام دی۔ انکا ہی دماغ ہوا اور دعوے ملک الشعرائی کا کرنے لگے۔ کچھ مرزا پر اعتراض کئے۔ اسپر مرزا نے انکی دربدری کی ہجو کی نتیجہ کو طرفین کی ہجویں حد سے گذر گئیں۔ فدوی نواب ضابطہ خان کے ہاں نوکر بھی ہوگئے تھے۔ اور آخر کو وہیں مارا گیا۔ انکا دیوان نہایت دلچسپ ہے۔ اور ہر غزل کا خاتمہ پیغمبر صاحب کی نعت یا کسی امام کی مدح پر کرتے ہیں۔ زلیخا کا ترجمہ بھی نواب صاحب کی فرمائش سے نظم کیا ہے۔ مگر اسی میں لکھا ہے کہ ایک بہت آدمی تھا۔ مرزا کے مقابلے کے لیے فرخ آباد میں آیا اور ذلت اٹھا کر گیا۔ ہجو میں تھا۔ وہ بزرگ باوجود شاگردی کے مرزا سے منحرف ہوگئے تھے جب یہ ساقی نامہ لکھا گیا تو گھبرائے اور آ کر خطا معاف کروائی۔ مرزا نے انکا نام نکال ڈالا۔ اور فوقی ایک فرضی شخص کا نام لکھ دیا۔

بیدار بندے ... میر عبدالحی صاحب کمال چاند پور کے رہنے والے تھے۔ مگر فن شعر میں کامل تھے۔ انکا دیوان بے نظیر ہے۔ مرزا کے دیوان سے نیچے نہیں رکھ سکتے۔ مگر کیا کیجیے کہ قبول عام اور کچھ شے ہے۔ شہرت نہ پائی۔ اول شاہ ہدایت کے شاگرد ہوئے۔ انسے ایسی بگڑی کہ ہجو کہی۔ تعجب ہے کہ شاہ موصوف باوجودیکہ حد سے زیادہ خاکساری طبیعت میں رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے بھی ایک قطعہ انکی ہجو میں لکھا۔ پھر خواجہ میر درد کے شاگرد ہوئے۔ انکی ہجو میں بھی کہہ گئے ... ہوئے۔ پھر مرزا کی خدمت میں آئے۔ اور یہ پھرے مرزا تو مرزا تھے۔ انہوں نے سیدھا کیا۔

مرثیے اور سلام بھی بہت کہے ہیں۔ اس زمانہ میں مسدس کی رسم کم تھی۔ اکثر مرثیے مربع مخمس مصرع ہیں۔ مگر مرثیہ گوئی کی ابھی ترقی دیکھکر اونکا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے شاید اپنی مرثیوں کو دیکھکر اگلے وقتوں میں مثل مشہور ہوئی تھی۔ کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو بگڑا گویا مرثیہ خوان۔ حق یہ ہے کہ مرثیہ کا شاعر گویا ایک مصیبت زدہ ہوتا ہے کہ ابتاد کھرا رہتا ہے۔ جسکا کوئی مرجاتا ہے تو غم و اندوہ کے عالم میں جو بیچارہ کی زبان سے نکلتا ہے سوکہتا ہے۔ اسپر کون بیدرد ہے۔ جو اعتراض کرے۔ وہان صحت غلطی اور صنایع و بدایع کا کیا ڈہونڈھنا۔ یہ لوگ فقط اعتقاد مذہبی کو مد نظر رکھکر مرثیہ سلام کہتے تھے۔ اسلیے قواعد شعری کا احتیاط کم کرتے تھے۔ اور کوئی اوسپر گرفت بھی نکرتا تھا پھر بھی مرزا کی تیغ زبان جب اپنی اصالت دکھاتی ہے تو لوہیں چھریان ہی نظر آتی ہے۔ ایک مطلع ہے

جڑا ہے چرخ پہ تیغا مصیبت و غم کا	نہیں ہلال فلک پر یہ محرم کا

ایک اور مرثیہ کا مطلع ہے

انصاف سے جواب دو حیدر کے واسطے	یارو سنو تو خالق اکبر کے واسطے
ظالموں کے برمین خنجر کے واسطے	وہ بوسہ گہ نبی تھی پیمبر کے واسطے

باوجود عیوب مذکورہ بالا کے جہان کوئی حالت اور روداد دکھاتے ہیں۔ پتھر کا دل پانی پانی ہوتا ہے۔ اور وہ آجکل کے مرثیہ گویوں کو دیکھنے چاہیے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے زور کمال میں اس کوچہ سے نکل گئے ہیں [21] مرزا

مفردات واسوخت۔ مخمس۔ ترجیع بند۔ مستزاد۔ قطعہ۔ رباعیان۔ پہیلیان وغیرہ اپنی اپنی طرز میں لاجواب ہیں۔ خصوصاً تاریخین لے کم و کاست ایسی برمحل و برجستہ واقع ہوئی ہیں۔ کہ انکے عدم شہرت کا تعجب ہے۔ غرض جو کچھ لکھا ہے اسے اعلیٰ درجہ تاریخ

[21] لطف یہ ہے کہ اس زمانہ کے لوگ سودا کے مرثیوں کو کہتے تھے کہ انہیں مرثیت نہیں۔ شاعری ہے اور سودا خود بھی انکی بے انصافی سے نالان ہیں۔ [22] دیکھو صفحہ ۲۲۳۔

شعر اردو پر کمال پہنچایا ہے مرزا کی زبان کا حال نظم میں۔ تو سبکو معلوم ہے کہ کبھی دو دو بیت کی صورت
مگر نثر میں بڑی مشکل ہوتی ہے۔ فقط سعدی کی ڈلیاں چبانی پڑتی ہیں۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے
کہ نثر اردو ابھی بچہ ہے۔ زبان نہیں کھلی۔ چنانچہ شعلۂ عشق کی عبارت سے واضح ہے
کہ اردو سے مگر مرزا اسمعیل کی نثر فارسی معلوم ہوتی ہے۔ کتاب مذکور اسوقت موجود نہیں
لیکن ایک دیباچہ میں انہوں نے تھوڑی سی نثر بھی لکھی ہے اس سے افسانہ مذکور کا انداز
معلوم ہو سکتا ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۲۔

سنی ہے آئے کل اہل سخن کا اتفاق ہے کہ مرزا اس فن میں استاد مسلم الثبوت تھے۔ وہ ایسی طبیعت لیکر
آئے تھے جو شعر اور فن انشا ہی کے واسطے پیدا ہوئی تھی۔ میر صاحب نے بھی انہیں پورا
شاعر مانا ہے۔ انکا کلام کہتا ہے کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اسیر سب رنگوں میں
ہمہ رنگ۔ اور ہر رنگ میں اپنی ترنگ۔ جب دیکھو طبیعت شورش سے بھری اور جوش
و خروش سے لبریز۔ نظم کی ہر فرع میں طبع آزمائی کی ہے اور کہیں رکے نہیں۔ چند
صفتیں خاص ہیں کہ جن سے ہیں۔ کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و گریبان ہے
جیسے آگ کے شعلے میں گرمی اور روشنی۔ بندش کی چستی اور نزاکت درستی سے لفظوں کو
اس در و بست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہیں گویا دلی کی ٹھیکری کی جا نہیں جڑے
ہوئے ہیں اور یہ خاص انکا حصہ ہے۔ چنانچہ جب انکے شعروں سے کچھ بقول حافظ
تو پھر وہی لفظ وہاں رکھے جائیں۔ شعر فروغ نہیں دیتا۔ خیالات نازک اور
مضامین تازہ باندھنے میں مگر اس باریک لفاظی پر انکی فصاحت آئینہ کا کام
دیتی ہے۔ تشبیہ اور استعارے انکے ہاں ہیں۔ مگر اسی قدر کہ جتنا کھانے میں نمک

۲۵ لطف یہ ہے

انکی طبیعت ایک ڈھنگ کی پابند نہ تھی - نئے نئے خیال اور چٹکتے قافیے جن
سے جیتے جاگتے دیکھتے تھے جما دیتے تھے - اور وہی انکا پہلو ہوتا تھا کہ خواہ مخواہ سننے
والوں کو بھلے معلوم ہوتے تھے - یا زبان کی خوبی تھی - کہ جو بات اُس سے نکلتی تھی
اسکا انداز نیا اور اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اپنے معاصر اوستاد خود اقرار کرتے تھے کہ جو باتیں ہم کاوش اور
محنت سے پیدا کرتے ہیں وہ اس شخص کو بیٹھے بٹھائے آتی ہیں - جن اشخاص نے زبان اردو کو بات
کیا ہے - مرزا کا انمیں پہلا نمبر ہے - انہوں نے فارسی محاوروں کو جا بجا نشاندہی کیا کہ ایسا ایک جسم
کیا ہے جیسے علم کیمیا کا ماہر ایک مادہ کو دوسرے مادہ میں جذب کر دیتا ہے - تیسرا مادہ پیدا کر دیتا
کہ کسی تیزاب سے اسکا جوڑ کھل نہیں سکتا - انہوں نے ہندی زبان فارسی محاوروں اور اشعار رو
سے نہایت زور بخشا - اکثر انمیں سے رواج پا گئے اکثر آگے نہ چلے -
انکی کارروائی طبع سے جیسی تیز آتی ہے دو زبان ترکیب پا کر تیسری زبان پیدا ہوگئی اور اُسے ایسی
قبولیت عام حاصل ہوئی کہ آئندہ کے لئے وہی ہندوستان کی زبان ٹھہری جس نے حکام کے درباروں
اور علوم کے خزانوں پر قبضہ کیا - اسی کی بدولت ہماری زبان فصاحت اور انشا پردازی
کا تمغا لیکر شایستہ زبانوں کے دربار میں عزت کی کرسی پا گئی - اہل ہند کو ہمیشہ انکی عظمت
کے سامنے ادب اور ممنونی کا سر جھکانا چاہیے - ایسی طبیعتیں کہاں پیدا ہوتی ہیں کہ پسند
عام کے نبض شناس ہوں اور وہی باتیں نکالیں جن پر قبول عام رجوع کرکے سالہا سال
کے لئے رواج کا قبالہ لکھدے -

تصرفات در کلام

ہر زبان کے اہل کمال کی عادت ہے کہ غیر زبان کے بعض الفاظ میں اپنے محاورہ کا
بموجب کچھ نہ کچھ تصرف کر لیتے ہیں - اسمیں کسی موقع پر قادر الکلامی کا زور دکھانا ہوتا ہے
کسی موقع پر محاورہ عام کی پابندی مطلوب ہوتی ہے - بے خبر کہدیتا ہے کہ غلطی کی مرزا
نے بھی کہیں کہیں ایسے تصرف کئے ہیں چنانچہ ایک جگہہ لکھتے ہیں

ع - جیسے کہتا ہے کوئی ہو تیرا صفا صفا - ایک غزل میں کہتے ہیں

لب لعل تیرا سا نگا کب خوبان عالم میں
یہ غلط العام ہے جگمین کہ سب مصری کی ڈلیاں

گل تو نسبت اس کف سے ہے سما کر نے دیجیے
یعنی نظر جو یار سے دیکھا سو وہ پیمانہ تھا

ساق سیمین تو تیرے دیکھے گوری گوری
شمع محفل میں ہوئی جاتی ہے تھوڑی تھوڑی

اپنے کعبہ کی بزرگی شیخ جو جانے ہو کر
آرزو ہے تاریخ تو میں از منم جانا نہیں

فارسی کا محاورہ کو بھی دیکھنا چاہیے کہ کس خوبصورتی سے بول گئے ہیں - اور دیکھو صفحہ

ہے مجھے فیض سخن اسکی ہی مداحی کا
ذات پر جسکی ہیں کنہ عجز و جل

ہو گیا دیکھ کے وہ زلف سیاہ فام سفید

بت ہر ایک سے تکرار کئے چلے تھا کل
دل آیا جو تو اس میکدہ میں جام لیتا جا

خیال ان آنکھوں کا جو مست مرے لیے نیند تھی
تو اپنا جزب عاجز دل سمجھنے والا

سوا مجھے کہتا ہوں نہ خوباں سے مل اتنا
دل لوگوں کے سمجھ رہے صبر کرکے ہم

عاشق بھی نامرادیں پر اسقدر کہ ہم

بیان ردیف میں لفظ کیا ہے کہ سے حذف ہو گئی ہے - اسی طرح عاجز ص ع

حکیم کی ہجو میں لکھے ہیں

آ کھڑا یا مجنون کو نشتر
آیا پا ستسقی سے جا فصد کر

ایک لطائف میں لکھتے ہیں

ہوا درد قولنج سے بیقرار
دھتا کار دوانی نا دار

مضامین مرزا اکثر ہندی کے مضمون اور الفاظ نہایت لطیف طور پر تضمین کرکے زبان ہندی کی اصلیت کا حق ادا کرتے تھے - اس لطف میں یہ - اور سید انشا شامل ہیں - چنانچہ فرماتے ہیں

تیر کس ان لبنہ حسینہ عالم کا جہان مارا
مژگان لے تیرے پیارے ارجن کا بان مارا

محبت کے کروں بیچ بل کی ہیں تو یہ کیا یارو
سنم پریت ہو تو اسکو اٹھا لیتا ہے جون رای

ہیں ہمنے شہر کو بھی ایسا جہاں اُسکو دیکھا	کنہیا سے ٹھنڈی کچھ کم ضم مرادہ ہوجائی
ساون کے بادلوں کیطرح سے بھرے ہوئے	یہ وہ نین ہیں جنسے کہ جنگل ہرے ہوئے
نوندی کے جھاڑوں سے وہ بھرتے ہیں ہار کر	لڑکے پیچھے آنسوؤں کے غضب سنکرے ہوئے
اے دل یہ کیسی بگڑی گھڑی آئی ہے فوج اشک	لخت جگر کی لاش کو آگے دھرے ہوئے

مرزا خود الفاظ تراشتے تھے اور اس خوبصورتی سے تراشتے تھے کہ مقبول خاص و عام ہوتے تھے تراش الفاظ
آصف الدولہ مرحوم کی تعریف میں ایک قصیدہ دکھا ہے چند شعر اسکے لکھتا ہوں
مضامین ہندی کے ساتھ الفاظ کی خوبصورت تراش کا لطف دیکھو —

مہنت

تیرے سایہ تلے ہے تو وہ مہنت
البتہ کر جائے دیو دد سے لڑنت

نام سن پیل کو دپیکر سکے
بہ چلیں جوں کہ نیر ہو کروٹ

سحر صولت کے سامنے تیرے
سامری بھول جاوے اپنی پڑھنت

تیری ہیبت سے نہ فلک کے تلے
کانپتی ہے زمین کے بیچ گڑنت

تکلے کی طرح بل نکل جاوے
تیرے آگے جو دو کرے اکڑنت

دیکھ میدان میں تجکو روز نبرد
منہ پہ مرادوں کے پھول جاوے بسنت

تاکتک پا اگر سنے تیرے
داب کر دم کھسک چلے ہوہنت

آوے بالفرض سامنے تیرے
زور ہیجا کی سور یا ساونت

تن کا اُسکے زرہ میں ہو یوں حال
مرغ کی دام میں ہو جوں پھڑکنت

ہندوستان کا قدیم دستور ہے کہ جب سپہ سالار لڑائی میں مارا جاتا تھا تو اُسکی لاش کو آگے
لیکر تمام فوج کے ساتھ دھاوا کرتے تھے — سرہند پر جب درانی سے فوج شاہی کی لڑائی
ہوئی اور نواب قمرالدینخان مارے گئے تو میر منو اُنکے بیٹے نے یہی کیا اور فتحیاب ہوا

اسی طرح باقی اشعار ہیں۔ مرغ کی پھڑکنت۔ جلکر بھسمنت۔ تیر کی کمان سے سرکنت یعنی
میں کھڑنت۔ گھوڑے کی کڑکنت اور ڈپٹنت۔ چڑھنت (مقابل) دیکھنت
اور گھورنا (دیکھنا) روباہ شیر لے سمجھتے ہیں کیا لپٹنت بچھنت (ربحگر) رویوں کی
ٹکرنت۔ تاروں کی چھٹکنت۔ لپٹنت (لپٹنا) پھرنت (پھرنا) گھٹنت (گھٹنا)
عام شعرائے ہند و ایران کی طرح سب تصنیفات ایک کلیات میں ہیں اسلیے نہیں کہہ سکتے
کہ کون کلام کس وقت کا ہے اور طبیعت نے وقت بوقت کس طرف میل کیا ہے۔ خصوصاً
یہ کہ زبان میں کب کب کیا کیا اصلاح کی ہے۔ یہ اتفاقی موقع میر صاحب کو ہاتھ آیا
کہ چھ دیوان الگ الگ لکھ گئے۔ متقدمین اور متاخرین کے کلام کو جو تقابلہ کرنے والے
کہتے ہیں کہ انکے دفتر تصنیفات میں ردی بھی ہے۔ اور وہ بہت ہے۔ چنانچہ جس
طرح میر صاحب کے کلام میں بہتر نشتر بتاتے ہیں انکے زبردست کلام میں سے بہتر خنجر رستمیات میں
مرصع ترین تیار کرتے ہیں۔ اس رائے میں مجھے بھی شامل ہونا پڑتا ہے۔ کہ بیشک جو کلام اعلیٰ طرز کے
موافق ہے وہ ایسے مرتبہ عالی پر ہے جہاں ہماری تعریف کی پرواز نہیں پہنچ سکتی۔ اور دلگی
پوچھو تو جن اشعار کو پرانے محاوروں کے جرم میں ردی کرتے ہیں انہی نرالے محاوروں سے اپنی قربان
ہیں۔ سن لیجیے ۲۵

گر کیجیے انصاف تو کی زور وفا میں	خط آتے ہی سب ٹل گئے اب آپ ہیں یا ہم
تم بھی تمنا کرتے ہو کیا بات ہے انکی	لیکن ٹک ادھر دیکھو اے یار بھلا میں
کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا	ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

استاد مرحوم کہا کرتے تھے کہ جب سودا کے سامنے کوئی شعر پڑھتا تھا یا اپنی ہی زبان پر آجاتا
تھا تو وجد کیا کرتے تھے۔ اور مزے لیتے تھے۔ اسی انداز کا ایک شعر نظیری کا یاد آگیا
اگرچہ فارسی ہے مگر جی نہیں چاہتا کہ دوستوں کو لطف سے محروم رکھوں

بجوئے یار من از بن شکست وفا مے آید	گلم ز دست بگیرید کہ از کار شدم

---
۲۵ مصحفی کے آٹھ دیوان سے بھی یہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں

بہارِ سخن کے گل بوٹے۔ وہ ایک زمانہ تھا کہ ہندی بھاشا کی زمین بھان دھرون کا۔ حُسن قدرت
سبزہ خودرو اُگا ہوا تھا۔ وہاں نظم فارسی کی تخم ریزی ہوئی تھی۔ اُسوقت فارسی کی بحروں میں
شعر کہنا اور اُدھر کے محاورات کو ادھر لینا۔ اور فارسی مضامین کو ہندی لباس پہنانا ہی
بڑا کمال تھا۔ اس صاحب ایجاد نے اپنے زور طبع۔ او قوت زبان سے صنعتوں اور فارسی
کی ترکیبوں اور اچھوتے مضمونوں کو اُسمیں ترتیب دیا اور وہ خوبی پیدا کی کہ ایہام اور تجنیس وغیرہ
صنائع لفظی جو ہندی دھرو کی بنیاد تھی اُسے لوگ بھول گئے۔ ایسے زمانہ کے کلام میں رطب و یابس ہو تو تعجب کیا۔ ہم اس الزام کا بُرا نہیں مانتے۔

اُسوقت زمین سخن میں ایک ہی آفت تو تھی۔ ادھر تو مشکلات مذکورہ۔ اُدھر اُنہوں نے
لفظوں کا ایک جنگل۔ جسکا کاٹنا کٹھن۔ پس کچھ اشخاص آئے کہ جنہوں نے زبان تراش کر
تخم ریزی کر گئے۔ انکے بعد والوں نے جنگل کو کاٹا۔ درختوں کو چھانٹا۔ چمن بندی کو پھیلایا
جو انکے پیچھے آئے اُنہوں نے روش۔ خیابان۔ والت۔ گلکاری۔ نہال۔ گلبن
سے باغ سجایا۔ غرض عہد بعہد اصلاحیں ہوتی رہیں۔ اور آئندہ ہوتی رہیگی۔ جس زبان کو آج
ہم تکمیل جاودانی کا ہار پہنانے خوش بیٹھے ہیں کیا یہ ہمیشہ ایسی ہی رہیگی۔ کبھی نہیں ہم
کس منہہ سے اپنی زبان کا فخر کر سکتے ہیں کیا دور گذشتہ کا سماں بھول گئے۔ ذرا پھر کر دیکھو
تو ان بزرگان متقدمین کا مجمع نظر آئیگا۔ کہ محمد شاہی دربار کی کھڑکی دار پگڑیاں باندھے ہیں
پچاس پچاس گز گھیر کے جامے پہنے بیٹھے ہیں۔ وہاں اپنے کلام لیکر جاؤ۔ جس زبان کو تم
نئی تراش اور ایجاد اختراع کا خلعت پہناتے ہو کیا وہ اسے تسلیم کرینگے۔ ہرگز نہیں
ہماری وضع کو سفلہ اور گفتگو کو چھچھورا سمجھکر منہہ پھیر لینگے۔ پھر ذرا سامنے دوربین لگا دو
دیکھو ان تعلیم یافتہ لوگ کا لین ڈوری اجلاس ہے جو آئیگا اور ہمیں ہنستا چلا جائیگا

چمن یونہی رہیگا اور ہزاروں جانور ۔۔۔ اپنی اپنی بولیاں سب بولکر اُڑ جائینگے

مرزا قتیل چہار شربت میں فرماتے ہیں - مرزا محمد رفیع سودا در ریختہ پایہ ملا ظہوری دارد وغیرہ از آنکہ زبان اردو - با من مخالف دارد قدر شے نتوان کرد - مرزا قتیل مرحوم صاحب کمال شخص تھے - مجھ بیکمال نے انکی تصنیفات سے بہت فائدے حاصل کیے ہیں - مگر ظہوری کی کیا غزلیں کیا قصیدہ دونوں استعاروں اور تشبیہوں کے پھندوں سے الجھا ہوا ریشم ہیں - سودا کی مشابہت ہے تو انوری سے ہے کہ محاورہ اور زبان کا حاکم اور قصیدہ اور ہجو کا بادشاہ ہے

قتیل کی رائے

یہ بات بھی لکھنے قابل ہے کہ تصوف جو ایشیا کی شاعری کی مرغوب نعمت ہے اس میں مرزا بھٹکے ہیں کہ مرزا قصیدہ کے بادشاہ ہیں - مگر غزل میں میر تقی کے برابر سوز و گداز نہیں یہ بات کچھ اصلیت رکھتی ہے - بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ انکے سامنے بھی اس بات کے چرچے تھے چنانچہ خود کہتے ہیں -

تصوف

لوگ کہتے ہیں کہ سودا کا ہے خوب
انکی خدمت میں لیے میں یہ غزل جاؤنگا
یعنی دیکھو تو سہی غزل کچھ کم ہے -

حکیم قدرت اللہ خان قاسم بھی اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں - زعم بعضے آنکہ سرآمد شعرا فصاحت آما مرزا محمد رفیع سودا در غزل گوئی بوئے نرسیدہ اما حق آنست کہ
ع ہر گلے را رنگ و بوے دیگر ست - مرزا - دریائیست بیکران - و میر نہریست عظیم الشان در معلومات قواعد میرزا بر مرزا برتریست - و در قوت شاعری مرزا را بر میر سروری - اصل حقیقت یہ ہے کہ قصیدہ غزل مثنوی وغیرہ اقسام شعر میں ہر ایک کی راہ جدا جدا ہے جسطرح قصیدہ کے لیے شکوہ الفاظ - اور بلندی مضامین - چستی ترکیب وغیرہ لوازمات ہیں اسیطرح غزل

ت الغزل کا میر و مرزا کے میں

انصاف

غزل کے لئے - عاشق معشوق کے حالات عشقیہ ذکر وصل - شکایت فراق -
درد انگیز اور المناک حالات - گفتگو ایسی بے تکلف - صاف صاف نرم نرم -
گویا وہی دونو بیٹھے باتیں کر رہے ہیں - اسکے ادائے مضامین کے لئے الفاظ بھی اور ان
اور اُسکی بحریں بھی خاص ہیں - **میر صاحب** کی طبیعت قدرتی درد خیز - اور حسرت انگیز
تھا - کہ غزل کی جان تھے - اسلئے انکی غزلیں ہی ہیں اور خاص خاص بحر و قوافی ہیں ہیں - اور
اسکی مرزا کی طبیعت ہمہ رنگ اور ہمہ گیر - ذہن براق اور زبان پر شان رکھتے تھے - توسن
فکر انکا منہ زور گھوڑے کی طرح جس طرف جاتا تھا رک نہ سکتا تھا - کوئی مواد کوئی قافیہ
ہاتھ آئے - تغزل کی خصوصیت نہیں رہتی تھی - جس بحر یا مضمون میں چاہتے
باندھ لیتے تھے - بیشک انکی غزلوں کے بھی اکثر شعر چست اور درست ہیں قصیدہ کا رنگ دکھاتے ہیں
ایک دن لکھنؤ میں میر اور مرزا کے کلام پر دو شخصوں میں تکرار نے طول کھینچا - دونو

(میر و مرزا کے بارے میں ... ہو کر خواجہ باسط کے سامنے)

خواجہ باسط کے مرید تھے - انہیں کے پاس گئے اور عرض کی کہ آپ فرمائیں - انہوں نے کہا کہ
دونو صاحب کمال ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ میر صاحب کا کلام آہ ہے - اور مرزا کا کلام
واہ ہے - مثال میں میر صاحب کا شعر پڑھا

سرہانے میر کے آہستہ بولو　　ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

پھر مرزا کا شعر پڑھا ہے

سودا کی جو بالیں پہ گیا شور قیامت　　خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

لطیفہ در لطیفہ انہیں سے ایک شخص جو مرزا کے طرفدار تھے وہ مرزا کے پاس بھی آئے
اور سارا ماجرا بیان کیا - مرزا بھی میر صاحب کے شعر کو سنکر مسکرائے - اور کہا کہ
شعر تو میر صاحب کا ہے مگر داد خواہی انکی دوا کی معلوم ہوتی ہے

۵۔ رسالہ عبرۃ الغافلین طبع شاعر کیلئے تیز طبعی کا کام دیتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا فقط طبعی شاعر نہ تھے بلکہ اس فن کے اصول و فروع میں ماہر تھے۔ اسکی فارسی عبارت بھی زباندانی کے ساتھ انکی شگفتگی اور شوخی طبع کا نمونہ ہے۔ اسکی تالیف کا ایک افسانہ ہے۔ اور قابل سننے کے ہے۔ اس زمانہ میں اشرف علیخان نام ایک شریف خاندانی شخص تھے۔ انھوں نے فارسی کے تذکروں اور استادوں کے دیوانوں میں سے ۱۵ برس کی محنت میں ایک انتخاب مرتب کیا اور تصحیح کے لیے مرزا فاخر مکین کے پاس لے گئے کہ ان دنوں فارسی کے شاعروں میں نامور وہی تھے۔ انھوں نے کچھ انکار کچھ اقرار بہت سے تکرار کے بعد انتخاب مذکور کو رکھا اور دیکھنا شروع کیا مگر جا بجا استادوں کے اشعار کو کہیں بے معنی سمجھ کر کاٹ ڈالا۔ کہیں تیغ اصلاح سے زخمی کر دیا۔ اشرف علیخان صاحب کو جب یہ حال معلوم ہوا تو گئے اور بہت سی قیل و قال کے بعد انتخاب مذکور لے آئے۔ کتاب اصلاحوں سے چھلنی ہو گئی تھی اسلئے بہت رنج ہوا۔ اسی عالم میں مرزا کے پاس لا کر سارا حال بیان کیا اور انصاف طلب ہوئے۔ ساتھ اسکے یہ بھی کہا کہ اب اسے درست کر دیجیے۔

انھوں نے کہا کہ مجھے فارسی زبان کی مشق نہیں۔ اردو میں جو چند لفظ جوڑ لیتا ہوں خدا جانے لوگوں میں کیونکر قبولیت کا خلعت پا لیا ہے۔ فاخر مکین فارسی دان اور فارسی گو صاحب کمال ہیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا ہوگا سمجھ کر کیا ہوگا۔ آپکو اصلاح منظور ہے۔ تو شیخ علی حزین مرحوم کے شاگرد شیخ آیت اللہ ثنا۔ میر شمس الدین فقیر کے شاگرد مرزا بچھو ذرہ تخلص موجود ہیں۔ حکیم بو علی خان ہاتف بنگالہ میں نظام الدین صانع

بلگرامی فرح الدین — شاہ محمد امین واقف شاہجہان آباد میں ہیں ان لوگوں کے
کام ہیں۔ جب مرزا نے ان ناموں فارسی دانوں کے نام لیے تو اشرف علیخان
نے لکھا ان لوگوں کو تو مرزا فاخر خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ غرضکہ انکے اصرار
سے مرزا نے انتخاب مذکور کو رکھ لیا۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو جو باکمال سلف سے
اب تک مسلم الثبوت چلے آتے ہیں۔ انکے اشعار تمام زخمی تڑپتے ہیں۔ یہ حال دیکھکر
مرزا کو بھی رنج ہوا۔ بموجب صورتحال کے رسالہ عبرت الغافلین لکھا اور مرزا فاخر کی
غلط فہمیوں کو اصول انشاپردازی کے موجب کا حقہ ظاہر کیا۔ ساتھ انکے انکے دیوان
پر نظر ڈالکر اسکی غلطیاں بھی بیان کیں۔ اور جہاں تک ہو سکا اصلاح مناسب دی
مرزا فاخر کو بھی خبر ہوی۔ بہت گھبرائے۔ اور چاہا کہ زبانی سپاہیوں سے ان داغوں کو
دھوئیں چنانچہ لقاء اللہ خان لقا کو گفتگو کے لیے بھیجا وہ مرزا فاخر کے شاگرد تھے
اور بڑے مشتاق اور باخبر شاعر تھے۔ مرزا سے اور ان سے خوب خوب گفتگوئیں رہیں
اور مرزا فاخر کے بعض اشعار جنکے اعتراضوں کے خبر اڑتے اڑتے ان تک بھی پہنچ گئی تھی
نمبر دو قدح بھی ہوی چنانچہ ایک شعر انکا تھا

شگفتہ روئے صہبا شگفتہ کرد مرا | گرفتہ بود درین بزم چون قدح دل من

مرزا کا اعتراض تھا کہ قدح کو گرفتہ دل کہنا بیجا ہے۔ اہل انشا نے ہمیشہ قدح کو کھلے پھول
سے تشبیہ دی ہے۔ یا ہنسی سے کہ اسے بھی شگفتگی لازم ہے۔ لقا نے جواب میں
شاگردی کا لشتیہ بہت بچایا۔ اور آخر کو بادل کا ایک شعر بھی سند میں لائے

بہ نشاط بادہ بکشند من خراب بی تو | بہ دل گرفتہ اند قدح شراب بی تو

مرزا رفیع سنکر بہت ہنسے اور کہا کہ اپنے اُستاد سے کہنا کہ اُستادوں کے شعر دیکھا کرو۔ تم
بھی کرو تو شعر تو میرے اعتراض کی تاب نہیں لاتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ پیالہ ہنسی اور شگفتگی میں
ضرب المثل ہے اور پیالہ شراب سامان نشاط ہے مگر وہ بھی دل افسردہ کا حکم رکھتا ہے
غرض جب یہ تدبیر پیش نہ گئی تو مرزا فاخر نے اور راہ لی۔ شاگرد لکھنؤ میں بہت تھے
خصوصاً شیخ زادے کہ ایک زمانہ میں وہی ملک اودھ کے حاکم بنے ہوئے تھے۔ اور ابھی زور کا
اور شوری کے بخار ابھی تک دماغوں سے گئے نہ تھے۔ ایک سودا تو بیخبر گھر میں بیٹھے تھے
وہ بلوہ کر کے چڑھ آئے۔ مرزا کے پیٹ پر چھری رکھدی اور کہا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے
وہ سب لو اور ہمارے اُستاد کے سامنے چلکر فیصلہ کرو۔ مرزا کو مضامین کے گل
پھول اور باتوں کے طوطے مینا تو بہت بنانے آتے تھے مگر یہ مضمون ہی نیا تھا۔ سب
باتیں بھول گئے۔ بیچارے نے جزدان غلام کو دیا۔ خود میانے میں بیٹھے اور آگے
ساتھ ہوئے۔ گرد وہ لشکر شیطان تھا۔ یہ بیچ میں تھے۔ چوک میں پہنچے تو انہوں نے
چاہا کہ یہاں انہیں بے عزت کیجئے۔ کچھ تکرار کر کے پھر جھگڑنے لگے۔ مگر جسے خدا
عزت دے اُسے کون بے عزت کر سکے۔ اتفاقاً سعادت علیخان کی سواری آنکلی
مجمع دیکھ کر ٹھہر گئے۔ اور حال دریافت کر کے سودا کو اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا کر لیگئے
آصف الدولہ حرم سرا میں دسترخوان پر تھے۔ سعادت علیخان اندر گئے اور
کہا کہ بھائی صاحب بڑا غضب ہے۔ آپکی حکومت اور شہر میں یہ قیامت
آصف الدولہ نے کہا۔ کیوں بھی خیر باشد۔ انھوں نے کہا کہ مرزا رفیع جسکو
باواجان نے برادر اور شفیق مہربان کہکر خط لکھا۔ اور آرزومند ہو کر بلایا اور وہ
یہاں

شہر آیا۔ آج وہ یہاں موجود ہے۔ اور اس جا نشین ہے کہ اگر اسوقت میں پہنچتا
تو شہر کے بدمعاشوں نے اس بیچارے کو بے حرمت کر ڈالا تھا۔ پھر سارا ماجرا بیان کیا۔
آصف الدولہ فرشتہ خصال گھبرا کر بولے کہ یہی مرزا فاخر نے ایک کیا تو مرزا کو کیا گویا
سکو مغفرت کیا۔ بادشاہان نے انہیں بھائی لکھا تو وہ ہمارے چچا ہوئے۔ سودا تعلی
سے لکھا کہ اسمیں کیا شبہ ہے۔ اسوقت باہر نکل آئے۔ سارا حال سنا۔ بہت غصے
ہوئے۔ اور حکم دیا کہ شیخ زادوں کا محلہ کا محلہ اکھڑوا کر پھنکوا دو۔ اور شہر سے نکلوا دو
مرزا فاخر کو جس حال میں ہو اسی حال سے حاضر کرو۔ سودا کی نیک نیتی دیکھنی چاہیے
ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جناب عالی ہم لوگوں کی لڑائی کاغذ قلم کے سوا نہیں آپ ہی فیصل ہو
جاتی ہے خصوصاً اسمیں مداخلت نہ فرماویں۔ غلام کی بدنامی ہے۔ جتنی مدد حضور کے
اقبال سے پہنچی وہی کافی ہے۔ عرض مرزا رفیع باعزاز و اکرام وہاں سے رخصت ہوئے
والے احتیاطاً سپاہی ساتھ کر دئے۔

حریفوں کو جب یہ راز کھلا تو امرا اپنے دربار کے پاس دوڑے۔ صلاح ٹھہری
کہ معاملہ روپیہ یا جاگیر کا نہیں۔ تم سب مرزا فاخر کو ساتھ لیکر مرزا رفیع کے
پاس چلے جاؤ۔ اور خطا معاف کروالو۔ دوسرے دن آصف الدولہ نے سر دربار
مرزا فاخر کو بھی بلایا اور کہا کہ تمہاری طرف سے بہت نازیبا حرکت ہوئی
اگر شعر کے مرد میدان ہو تو نواب روبرو سودا کے ہجو کہو۔ مرزا فاخر نے کہا کہ
این از ما نمے آید۔ آصف الدولہ نے بگڑ کر کہا۔ درست این از شما نمے آید
این مے آید کہ شیاطین خود را بر سر مرزای بیچارہ فرستادید۔ از خانہ بیارایش

آتش بید و بیخواستند آبرو یش بخاک ریزند - پھر سودا کی طرف اشارہ کیا - یہان کیا دیر تھی - فی البدیہہ رباعی پڑھی :-

تو فخر خراسانی و فا ساقط ازو	گو ہر دہان داری و را ساقط ازو
روزان و شبان حق تعالے خواہم	مرکب ذ ہارت خداوا باساقط ازو

یہ جھگڑا نو قع دفع ہوا اگر دو ر دو رسے ہجو ین جو ہین چلتی رہین - لطف یہ ہے کہ مرزا فاخر کی کہی ہوی ہجو ین کوی جانتا بھی نہین - سودا نے جو کچھ انکے حق مین کہا وہ ہزارون کی زبان پر ہے -

مکین - مرزا فاخر مکین اصل مین کشمیری تھے اول فتو جعفر خان کشمیری سے اصلاح لیتے تھے پھر عظیمائے کشمیری کے شاگرد ہوے - انکے کمال مین کلام کی جگہ نہین - صحت الفاظ اور تحقیق لغت مین بڑی کوشش کی تھی - دیوان نے رواج نہین پایا مگر اصل اشعار متفرق بیاضون مین ہین - یا وہ مشہور ہین کہ انہون نے سودا کے حق مین کہے - سودا نے تضمین کر کے انھین پر الٹ دئیے - کچھ اشعار سودا نے عبرۃ الغافلین مین اعتراضون کی ذیل مین لکھی - بہر حال معلوم ہوتا ہے - کہ کیفیت سے خالی نہ تھی - زمانہ نے بھی پورا حق انکی قدر دانی کا ادا کیا - سیکڑون شاگرد غریب اور تونگر لکھنو اور اطراف مین ہوگئے - پیشہ توکل تھا - اور بے دماغی سے اُسے رونق دیتے تھے :-

نقل - مولوی غلام ضامن صاحب رتھے کے فاضل تھے - ایک دن غزل لیکر گیے مجھے شاگرد کیجیے - اور اسے اصلاح فرمائے - مرزا فاخر نے ٹال دیا - مولوی صاحب نے پھر کہا - انہون نے پھر انکار کیا - اور کچھ خفگی کرنے لگے - جو عجز و انکسار کے

ہوں تھے سب ہو ہو نچاحب لے اوا کئے ایک نہ قبول ہوا۔ ناچار یہ شعر پڑھ کر اٹھ کھڑے ہوئے

مرزا تکین بالسوو چون تکین ما | کین است جز و اعظم مرزا تکین ما

یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتدا سودا کی طرف سے کم ہوتی تھی۔ ہاں۔ کوئی چھیڑ دیتا تھا تو پھر یہ بھی حد سے پرے پہنچا دیتے تھے چنانچہ **میر ضاحک** مرحوم کے حال سے معلوم ہوگا

آصف الدولہ ایک دفعہ شکار کو گئے۔ خبر آئی کہ تو آپ نے بھیلوں کے جنگل میں شیر مارا۔ باوجودیکہ ہمیشہ انعام و اکرام کے انبار ون سے زیر بار رہتے تھے مگر فوراً کہا۔

یارو یہ ابن ملجم پیدا ہوا دوبارا | شیر خدا کو جس نے بھیلوں کے بن میں مارا

نواب کو بھی خبر ہوئی جب پھر کر آئے تو خود شکایت دوستانہ کے طور پر کہا کہ مرزا تم نے ہمکو شیر خدا کا قاتل بنایا۔ ہنسکر کہا کہ خدا بھی ۔ شیر تو خدا کا تھا نہ حضور کا نہ فدوی کا

لطیفہ۔ آصف الدولہ مرحوم کی انا کی لڑکی خورد سال تھی۔ لیکن بڑی شوخ تھی۔ نواب فرشتہ سیرت کی طبعیت میں ایک تو عموماً تحمل اور بے پروائی تھی۔ دوسرے اسکی ماں کا دودھ پیا تھا۔ ناز برداری نے اسکی شوخی کو شرارت کر دیا۔ ایک دن دوپہر کا وقت تھا۔ نواب سوتے تھے۔ ایسا غل مچایا کہ یہ بدخواب ہو کر جاگ اٹھے۔ بہت جھنجھلائے۔ اور خفا ہوتے ہوئے باہر نکل آئے۔ سب ڈر گئے کہ آج نواب کو غصہ آیا ہے خدا خیر کرے۔ باہر آکر حکم دیا کہ مرزا سودا کو بلاؤ۔ مرزا اسیوقت حاضر ہوئے فرمایا کہ بھئی مرزا اس لڑکی نے مجھے بڑا حیران کیا ہے تم اسکی ہجو کہدو۔ یہاں تو ہر وقت مصالح تیار تھا۔ اسیوقت قلمدان لیکر بیٹھ گئے۔ اور مثنوی تیار کر دی کہ اسکا شعر اول کا اللہ الماتون ہے

لڑکی کی ہجو

لڑکی وہ لڑکیوں میں جو کھیلے نہ کہ لونڈوں میں جا کے ڈنڈ پیلے

بعض بزرگوں سے یہ بھی سنا ہے کہ دلی میں مالیہ پر ایک دوکان میں بھٹیاری رہتی تھی۔ وہ اب بھی لڑاکا تھی مگر لڑکی اس سے بھی سوا چنچل ہوئی۔ آپ نے چلتے جب دیکھتے لڑتے ہی دیکھتے ایک دن کچھ خیال آ گیا۔ اسپر یہ ہجو کہی تھی۔

اپنی کہانی

لطیفہ۔ شیخ قایم علی ساکن اٹاوہ ایک طباع شاعر تھے۔ کمال اشتیاق سے مقبول نبی خان انعام اللہ خان یقین کے بیٹے کے ساتھ بارادہ شاگردی انکے پاس آئے اور بیٹھے اشعار سنائے۔ انہوں نے پوچھا تخلص کیا ہے۔ کہا امیدوار۔ مسکرائے اور فرمایا

ہے فیض سے کسی کے شجر انکا بار دار اس واسطے کیا ہے تخلص امیدوار

بیچارے شرمندہ ہو کر چلے گئے۔ قایم تخلص اختیار کیا۔ اور کسی اور کے شاگرد ہوئے۔ انکی طبیعت میں جو شوخیاں تھیں وہ خفیف تھیں اتنی نہ تھیں جتنا انھیں لوگوں نے خطرناک بنا رکھا تھا۔ بے شک جو انسے لڑتا تھا اسے خوب جواب کرتے تھے۔ مگر اخلاق و انصاف سے خالی نہ تھے۔

نقل۔ راسخ عظیم آبادی کا دیوان میں نے دیکھا ہے۔ بہت سخن سنجیدہ کلام ہے پرانے مشاق تھے اور سب ادھر کے لوگ انہیں استاد مانتے تھے۔ مرزا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے۔ مرزا نے کہا کوئی شعر سنائیے۔ انہوں نے پڑھا

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دید ہی رونا ہمارا ہے پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

مرزا نے اٹھ کر گلے لگایا۔ ایسا ہی معاملہ جرأت سے ہوا تھا

جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو انکے محاورہ میں کہتے ہیں کہ امیدواری سے اللہ کی درگاہ سے امید ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۰۲

لطیفہ - ایک دن میان **ہدایت** ملاقات کو آئے بعد رسوم معمولی کے انہون نے پوچھا میان ہدایت کے سامنے لطیفہ
کہ فرمایئے میان صاحب آجکل کیا شغل رہتا ہے - انہون نے کہا - افکار و تفکرات
نہین دیتے - طبیعت کو ایک مرض باؤ گولے کا لگا ہوا ہے - کبھی کبھی غزل کا اتفاق
ہو جاتا ہے - مرزا ہنس کر بولے کہ غزل کہنا کیا کوئی ہجو کہا کیجیے - بیچارے نے حیران ہو کر
کہا کہ ہجو کس کی کہون - آپ نے کہا کہ ہجو کو کیا چاہیے - تم میری ہجو کہو - مین تمہاری ہجو کہون

لطیفہ لسانی عجیب

لطیفہ - ایک ولایتی نے کہ زمرہ اہل سیف مین نوکر پلٹن مین تھا - عجب تماشا کیا یعنے سودا نے
اسکی ہجو کہی اور ایک محفل مین اسکے سامنے ہی پڑھنی شروع کر دی - ولایتی سنتا تھا سنتا گیا
جب ہجو ختم ہوئی اٹھکر سامنے آ بیٹھا - اور انکی کمر پکڑ کر مسلسل و متواتر مکّون کا چھاپا
باندھ دیا - انہین بھی ایسا اتفاق آجتک نہ ہوا تھا - حیران ہو کر کہا کہ خیر باشد خیر باشد
جناب آغا افسام این مقالات شایان شان شما نیست - ولایتی نے پیش قبض کمر سے
نکالکر انکے پیٹ پر رکھ دی اور کہا - نظم خود ت گفتی - حالا این نثر را گوش کن
ہر چہ گفتی نظم بود - نظم از ما نمے آید ما بہ نثر ادا کردیم

سیادت عوالی

لطیفہ - **سید انشا** کا عالم جوانی تھا - مشاعرہ مین غزل پڑھی کہ

چھڑکی سہی ادا سہی چین جبین سہی
سب کچھ سہی پر ایک نہین کی نہین سہی

جب یہ شعر پڑھا کہ

گر نازنین کہے سے برا مانتے ہو تم
میری طرف تو دیکھیے مین نازنین سہی

ایک مرد نشین دیرینہ سال اس زمانہ کے شعرا ہمعصر مین سے تھے - خواجہ میر درد کے شاگرد تھے
اور خاندان کے مرید تھے - انکا ایک رسالہ **چراغ ہدایت** فارسی مین ہے
نصائح کو **صوفیانہ رنگ** سے روشن کیا ہے - ہر صفحہ کا نام چراغ رکھا ہے اور اسے سرخی سے
لکھا ہے آخر مین ایک شعر فارسی یا اردو کا تضمین کیا ہے خاتمہ مین کئی صفحہ کی ایک مثنوی اردو کی ہے

سودا کا عالم پیری تھا مشاعرہ میں موجود تھے مسکرا کر بولے وہیں چہ شک

نقل - ایک سودا مشاعرہ میں بیٹھے تھے - لوگ اپنی اپنی غزلیں پڑھ رہے تھے -
ایک شریف زادہ کی ۱۲-۱۳ برس کی عمر - انہوں نے غزل پڑھی - مطلع تھا

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

گرمی کلام پر سودا بھی چونک پڑے - پوچھا - یہ مطلع کس نے پڑھا ؟ لوگوں نے کہا -
حضرت یہ صاحبزادہ ہے - سودا نے بھی بہت تعریف کی - کئی مرتبہ پڑھوایا
اور کہا کہ میاں لڑکے جوان تو ہوتے نظر نہیں آتے - خدا کی قدرت انہی دنوں
میں لڑکا جل کر مر گیا - بلکہ فخر شعرائے ایران زمین **شیخ علی حزین** وارد ہندوستان
ہوئے - پوچھا کہ شعرائے ہند میں آجکل کوئی صاحب کمال ہے - لوگوں نے
سودا کا نام لیا - اور سودا خود ملاقات کو گئے - شیخ کی عالی دماغی اور نازک
مزاجی شہرہ آفاق ہے - نام و نشان پوچھ کر کہا کہ کچھ اپنا کلام سناؤ -
سودا نے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

شیخ نے کہا کہ تڑپے ہے چہ معنی دارد - سودا نے کہا کہ اہل طپیدن را تڑپنا
میگویند - شیخ نے پھر شعر پڑھوایا - اور زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ مرزا رفیع
قیامت کردی یک مرغ قبلہ نما باقی بود آنرا ہم نگذاشتی - یہ کہکر اٹھ کھڑے ہوئے
اور بغلگیر ہو کر پاس بٹھایا - مگر بعض اشخاص کی روایت ہے کہ شیخ نے کہا - در پوچ
گویان ہند بد نیستی -

لطیفہ - خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا - سودا ان دنوں
نوجوان

نوجوان تھے۔ مطلع پڑھا

آلودہ قطرات عرق دیکھ جبیں کو | اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پہ سے زمیں کو

یا بھولا علمی سے یا اپنی اُستادی کے دعوے سے کوئی نہ بولا مگر خان آرزو چونکے وا بہ قابلیت
تھے وہ وہ ہے۔ منظر سودا۔ بیرتی زرد دعوے نوجوانوں نے پرورش پائی ہے
انہوں نے فوراً یہ شعر پڑھا۔ کہ فیضی کے مطلع پر اشارہ ہے

شعر سودا حدیث قدسی ہے | چاہیے لکھ رکھیں فلک پہ ملک

خان آرزو قدسی

آلودہ قطرات عرق دیدہ جبیں را | اختر ز فلک مے نگرد روے زمیں را

سودا بے اختیار اُٹھ کھڑے ہوئے۔ خانصاحب نے گلے سے لپٹ گئے۔ اور اس شعر کے
ساتھ خوشی ظاہر کی گویا خفیفہ۔ خان صاحب نے انکے کلام کو مثل حدیث قدسی تسلیم کیا ہے
انکا ایک اور شعر ایسا ہی سبب ہے۔

بہار بے سپر جام و یار گذری ہے | نسیم تیر ہی۔ سینہ کے پار گذری ہے

فارسی میں کوئی اُستاد کہتا ہے کہ۔

بہارِ بے سپر جام یار مے گذرد | نسیم ہمچو خدنگ از کنار مے گذرد

مگر اہل تحقیق کا قول ہے کہ ایسی صورت خاص کو سرقہ نہیں۔ ترجمہ سمجھنا چاہیے
کیونکہ شعر کو شعر ہی میں ترجمہ کرنا بھی ایک صنعت ہے۔ قطع نظر اسکے اسی
مطلع کے بعد اور اشعار کو دیکھو کہ کیا موتی پروئے ہیں؟ اور کلیات ایک دریا ہے
کہ اقسام جواہر سے بھرا ہوا ہے۔ **ابو الفضل** نے ایک رسالہ میں لکھا ہے

ولد الزنا ست حاسد منم آنکہ طالعم | ولد الزنا کُش آمد چو ستارۂ یمانی

یہ شعر قصاید نظامی میں موجود ہے۔ اور اسی مضمون کو عربی میں متنبی کہتا ہے

وَتُنکِرُ مَوتَہُم وَانا سُہَیلٌ | طَلَعتُ بِمَوتِ اَولادِ الزِّنا

ہی کی وجہ خود سودا سے زبان بزبان روایت پہنچی ہے - کہ جو غزل فارسی انکی ہجو میں مولوی ندرت کشمیری
نے کہی اور مرزا نے انہیں سے مخمس کر کے اسی پر الٹ دیا انکے مطلع پر خان آرزو نے مصرع
لگا دیے تھے - باقی تمام مخمس مرزا کا ہے -

شعر ناموزوں سے تو بہتر ہے کہنا ریختہ | کب کہا میں فیل کر مضمون کہنی کا ریختہ
بے حیائی ہے یہ کہنا سنکے میرا ریختہ | خون معنی تا رقع تا زہ ہمارا ریختہ
آبروئے ریختہ از جوش سودا ریختہ

نقل - معتبر لوگوں سے سنا ہوا ہے کہ کسی شخص نے سودا سے پوچھا بلبل مذکر ہے
یا مونث مسکرا کر بولے کہ نوع انسان میں ایک ہو تو مرد ہے عورت ہو جاتی ہے
باہم لفظ کو دیکھو - دو موجود ہیں لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے ایک جگہ مذکر بھی باندھا ہے
چنانچہ غزل ہے - اثر لگا کہنے - چشم تر لگا کہنے - ناظر لگا کہنے - اسمیں کہتے ہیں کہ

آتے ہی مرغ چمن کا نالہ اے صیاد | بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے

اکثر اہل لکھنؤ اب بھی مذکر باندھتے ہیں - چنانچہ سرور کا شعر ہے ۴۵

کر لگا تو میرے نالوں کی ہمسری بلبل | شعور اتنا تو کر جا کے جانور بیدار

آتش ع - سیر چمن کو چلیے - بلبل پکارتے ہیں - رند ع جانور کا جو ہوا
شوق تو پالے بلبل - مگر حق یہ ہے کہ اسوقت تک تذکیر و تانیث لفظوں
کی تقرر نہیں ہوی تھی - بہت سے الفاظ ہیں کہ مرزا اور میر صاحب نے انہیں مذکر باندھا ہے
بعد ان کے - سید انشا - جرات - مصحفی سے لیکر آجتک سب مونث باندھتے
چلے آتے ہیں - چنانچہ میر صاحب کی طرح مرزا ے موصوف بھی فرماتے ہیں -

۴۵ اب تو دلیل ثابت ہو گئی - اب بھی نہ مونث ہو گی -

اٹھا لیتے احوال دیکھکر سیرا
بتان کا دید مین کرتا ہون شیخ صبدن سے
کرین شمار ہم دل کے پارۂ داغون کا
ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا
سکہ ہنسو ہون ہو نہیں اپنی چشم خون آلودہ کو

کہ سخت جان نے سودا کا کیا کھیسے احسان
جلال تب سے صفی ہو ہو ہو میرے دل پر — دید
تو اک سیر کرین آج دل کے باغون کا — سیر
موسی نہیں جو سیر کرین کوہ طور کا — سیر
جامہ کا ہر ایک تختہ ہے سیر گلزار کا — سیر

ت مرزا رفیع لڑکے تھے - اسوقت **میر جعفر زٹل** کا بڑھاپا تھا - اگلے وقتون کے لوگ رنگین جریبین جن پر کاشی کا کام ہوتا تھا اکثر ہاتھ مین رکھا کرتے تھے - ایکدن شام کے قریب میر موصوف ایک سبز رنگ جریب ٹیکتے - ٹہلنے کو باہر نکلے - مرزا بغل مین کتابون کا جزدان لیے سامنے سے آتے تھے - اس زمانہ مین آدب کی بڑی پابندی تھی - بزرگون کو سلام کرنا اور انکی زبان سے دعا لینے کو برکت و نعمت سمجھتے تھے - مرزا نے جھک کر سلام کیا۔ انھون نے خوش ہوکر دعا دی - چونکہ بچپن ہی مین مرزا کی موزونی طبع کا چرچا تھا - میر صاحب کچھ باتین کرنے لگے - مرزا ساتھ تھے - انھون نے تو خیر طبیعت کے آزمانے کے لیے کہا کہ مرزا بھلا ایک مصرع پر مصرع لگاؤ - ع - لالہ با داغ چون دارد - مرزا نے سوچکر کہا - ع - عمر کوتاست غم فزون دارد - میر صاحب نے فرمایا - واہ مرزا ن بھر کے بھوکے تھے وہ کھا گئے - مرزا نے پھر کہا - ع - از غم عشق سینہ خون دارد میر صاحب نے فرمایا - واہ بھئی - دل خون ہوتا ہے - جگر خون ہوتا ہے - بھلا سینہ کیا خون ہوگا - سینہ پر خون ہوتا ہے - مرزا نے پھر ذرا فکر کیا اور کہا ع - چہ کند سوزش درون دارد - میر صاحب نے کہا کہ ہان مصرع تو

ٹھیک ہے لیکن ذرا طبیعت پر زور دے کر دیکھو۔

مرزا دق ہوگئے تھے۔ جھٹ کہدیا۔ ع ۔ ایک عصا سبز زیر دارد۔

میر جعفر مرحوم ہنس پڑے۔ اور جریب اٹھا کر کہا۔ کیوں۔ یہ ہم سے بھی دیکھو

کھوگا تیرے باپ سے۔ بازی بازی بریش بابا ہم بازی۔ مرزا لڑکے تو تھے ہی

بھاگ گئے۔

چند اشعار جنسے میر اور مرزا کے کلام میں امتیاز ہوتا ہے لکھے جاتے ہیں۔ ان

دونکے شعروں میں دونوں استاد و نکی طبیعت برابر لڑی ہے۔ مگر دونوں کے انداز پر خیال کرو۔

میر

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہمنے تھام تھام لیا

قسم جو کھائیے تو طالع زلیخا کی
عزیز مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا

سودا

چمن میں صبح جو اس جنگجو کا نام لیا
صبا نے تیغ کا موج رواں سے کام لیا

کمال بندگی عشق ہے خداوندی
کہ ایک زن نے مہ مصر سا غلام لیا

گلا ہے جس سے کروں تیری بیوفائی کا
جہان میں نام نہ لے پھر وہ آشنائی کا

سودا

گلا لکھوں میں اگر تیری بیوفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا

دکھاؤنگا تجھے زاہد اس آفت دیں کو
خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

چمن میں گل نے جب خیال کیا
جمال یار نے منہ اسکا خوب لال کیا

چمن میں گل نے جو کل دعوے جمال کیا
صبا نے مار تھپیڑا منہ اسکا لال کیا

برابری کا تیری گل نے جب خیال کیا
لیے یا پیر سے سلمہ اللہ تو لیے

دل شہنجا ہلاکت کو سب کچھ لا

... تقاضا بیا اسطلح نے حرکات کے حال ہیں جو ہیں۔

زاہد جو تمن جان ڈھونڈھے ہے اپنا جو کالا — سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ — سودا
ایک محروم چلے میر ہمیں دنیا سے — ورنہ عالم کو زمانہ نے دیا کیا کیا کچھ — میر
سودا جہان میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا — جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لئے — سودا
رات ساری تو کٹی سنتے پریشان گوئی — میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو — میر
سودا اسیری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات — آئی ہے سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی — سودا
سوتی نہیں ہے صبح نہ آئی ہے مجھکو نیند — جسکو پکارتا ہوں وہ کہتا ہے مر کہیں — میر
کفر کچھ چاہیے اسلام کی رونق کے لئے — حسن زنار ہے تسبیح سلیمانی کا — میر
سودا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی — نہ ٹوٹے شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی — سودا
مت رنج کر کسیکو کہ اپنے تو اعتقاد — دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا — میر
کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ — یہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا — سودا
نہ بھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہے — نہیں اعتبار اسکا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے — میر
بگولے سے جسے آسیب ادھر سے حسرت ہے — ہماری خاک یوں برباد ہوا ہے ابر حسرت ہے — سودا
میر کے پاس مرا اپنا ہی گمان ہے کہ نہیں — جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں
دل کے بیزوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں — کچھ علاج انکا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
ہر پردہ میں مجھکو ہی نظر آتا ہے — تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظراں ہے کہ نہیں
جرم ہے اسکی جفا کا کہ وفا کی تقصیر — کوئی تو بولو میاں منہ میں زبان ہے کہ نہیں
پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل — ورنہ یہاں کونسا انداز فغاں ہے کہ نہیں
لے شمشیر تمہاری کے بھلا یہ گردن — مو سے ایک تیرا ہی خوش گراں ہے کہ نہیں
بے سبک ہو کے مرا شفقہ لگا دو کہنے — کچھ تجھے عقل سے بہرہ بھی میاں ہے کہ نہیں

دیکھا میں قصر فریدوں کے در اوپر ایک شخص
حلقہ زن ہو کے پکارا کوئی یہاں ہے کہ نہیں ۱

پوچھا سودا سے میں اک روز کہ اے آوارہ
تیرے رہنے کا کہیں بھی مکاں ہے کہ نہیں

سینہ میں ہوا نالہ پہلو میں دل آتش
دھڑکے ہے پڑا دل یہ ہو مشتعل آتش

اشک آتش و خون آتش و لخت دل آتش
آتش یہ برستی ہے پری مشتعل آتش

ایک لحظہ طرف ہو کے میرے دیدۂ دل سے
نادم سمندر ہے سدا منفعل آتش

یاقوت نہیں ہے وہ ترے لعل سے اے شوخ
حیا ڈوب ہوئی آگ میں ہو کر خجل آتش

داغ آج سے رکھتا نہیں ان سنگدلوں کا
مدت سے ہوئی ہے مری چھاتی یہ سبل آتش

دل عشق کے شعلہ سے جب بھڑکا تو ریا کیا
اے جان نکل جا کہ لگی متصل آتش .

یک قطرۂ می لے اودہی سودا کو جگہ سے
بارد ہے کہ تو دے کو ہے بس ایک تل آتش

دین شیخ و برہمن نے کیا یار فراموش
یہ سبحہ فراموش وہ زنار فراموش

دیکھا جو حرم کو تو نہیں دیر کی وسعت
اس گھر کو فضا کر گیا معمار فراموش

بھولے نہ کبھی دل سے مرا صبح گاہ
نالہ نہ کرے مرغ گرفتار فراموش

دل سے نہ گئی آہ ہوس سیر چمن کی
اور ہمنے کیا رخنۂ دیوار فراموش

یا نالہ ہی کر شمع تو یا گریہ کو ناصح
دو چیز نہ عاشق سے ہوں یکبار فراموش

بھولا پھر دل ہوں آپکو ایک عمر سے لیکن
تجھکو نہ کیا دل سے میں رکھنا فراموش

دل درد سے کس طرح مرا خالی ہو سودا
وہ ناشنوا حرف سخن گفتا فراموش

جو گذری مجھپہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلاکشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریبان گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

پہنچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو
کوئی سیو کوئی مرہم کرو ہوا سو ہوا

کہے ہے سنکے مری سرگذشت وہ بیرحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

خدا کے واسطے آ درگذر گنہ سے مرے
نہ ہوگا پھر کبھو اے تندخو ہوا سو ہوا

یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا

دیا اسے دل و دین اب یہ جان ہے سودا
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا

وک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ مین
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ مین

ہو گو نہ چاک چاک گریبان دل کرون
دیکھون جو تیری زلف کو مین دست شانہ مین

غیرت دلیل مفلسی ہے ایک جہان کو دیکھ
نقش و نگار چھٹ نہین کچھ اسکے خانہ مین

اے مرغ دل سمجھ کے تو چشم طمع کو کھول
تو نے سنا ہے دام جسے سمجھے دانہ مین

چلے مین کھینچ کھینچ کیا قد کو جون کمان
تیر مراد پر نہ بٹھا بانشانہ مین

یا سرا ایک بات مین اپنے مین یون بجھے
معنے کو جس طرح سخن عاشقانہ مین

ست کسرہ کس کو نہ زمین کرے فلک
مہندی بندھی نہ دیکھی مین انگشت شانہ مین

سا تجھے تو ایک ہے مین تجھسے مین کیا
جا دیکھ لے تو آپ کو آئینہ خانہ مین

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ میں

افعی کو یہ طاقت ہے کہ اس سے بسر آوے
وہ زلف سیہ اپنی اگر لہر پر آوے

صورت ہمیں اس مہر کی پہچان اگر آوے
ہر ذرہ میں کچھ آذر ہی جھمکا نظر آوے

مجھ چشم سے اب اشک نہیں آتے کما حیح
آوے بھی غم دل سے تو لخت جگر آوے

پھرتا ہوں ترے واسطے میں دربدر اے یار
تجھ سے نہ ہوا یہ کہ کبھو میرے گھر آوے

گویا دل عاشق بھی ہے اس قبیل سے بست
رکتا نہیں رو کے سے کسو کے جو بر آوے

کھو کے دیکھ اپنا نہیں کیا ساغر کو خالی
اتنا نہوا اشک کہ ترے چشم بھر آوے

شیشہ نہ کہے راز مرے دل کا نو اے جام
سرگوشی سے اسکی نہ تری چشم بھر آوے

کیا ہو جو قفس تک مرے آپ صحن چمن سے
وہ برگ لے گل کے نسیم سحر آوے

سب کام نکلتے ہیں فلک تجھ سے ولیکن
میرے دل ناشاد کی امید بر آوے

جب پھونکے ناقوس صنم خانہ دل شیخ
کعبہ کا ترے وجد میں دیوار و در آوے

نامہ کا جواب آنا تو معلوم ہے اب کاش
قاصد کے بد و نیک کی کچھ تک خبر آوے

میں بھی ہوں ضعیف اسقدر اے مور کہ وہ اب
گذرے میرے سر سے جو ترے تا کمر آوے

رستے کھٹکے رہتا ہوں یہ ممکن کہ پھر آیا
بالیں پہ مرے سو قیامت اگر آوے

اب لے تو گیا ہے پر اسے دیکھیو نادان
پامال نہ اڑاتا وہ اگر بال و پر آوے

دیتا ہے کوئی مرغ دل اس شوخ کو سودا
کیا قہر کیا تو نے غضب سر پہ بر آوے

جو ہمیں لذتی کی روش کم بہت ہے یہاں
ہوا ہاں جان جو جیا سو تو عالم بہت ہے یہاں

غافل نہ رہ تو اہل تواضع کے حال سے
تیغ و کمان کی طرح خم و چم بہت ہے یہاں

چشم ہوش اٹھا لے تماشے سے جون حباب
تا دیکھی کا دید لیں اک دم بہت ہے یہاں

خون جگر یا دم دلوزینہ سے و نگاہ
صورت معاش خلق کی بہم بہت ہے یہاں

آنکھوں میں دوں اس اپنے رو کو جگہ وے
تنگا کرے سے لبکہ یہ گھر تنم بہت ہے یہاں

کیتا ہے حال ماضی و مستقبل ایک ایک
جام جہان نما تو نہیں جسم بہت ہے یہاں

دیکھا جو باغ دہر مانند صبح گل
کم فرصتی گلاب کی باہم بہت ہے یہاں

آیا ہوں تازہ دین بحرم شبنما مجھے
ہو جا نماز سے کبھی مقدم بہت ہے یہاں

سودا کھاش سے دل کی تسلی کے واسطے
گوشہ سے چشم کے نگہ کم بہت ہے یہاں

مجذوب

ابراہیم علیخان تذکرہ گلزار ابراہیمی میں لکھتے ہیں کہ مرزا غلام حیدر مرزا رفیع کے بیٹے تھے اور اب سنہ ۱۱۹۲ھ میں لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ درستی فہم اور آشنا پرستی کے اوصاف سے موصوف ہیں۔ حکیم قدرت اللہ خان قاسم فرماتے ہیں کہ ایک شغل بخیر خوش اخلاق جوان ہے۔ مرزا سودا کا متبنیٰ ہے۔ سپاہ گری کے علم میں زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے مربی کی شاگردی کا دم بھرتا ہے

ملاوں نے تمہاری مجھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہد دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں

نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب ہے وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہووے تو میں مانوں

ہمارے تم سے جو عہد وفا ہون - انکو تم جانون
مرے یہان نہین کچھ نوع دگر ہووے یون دل جان

ذرا تم یار کا کل کو مرے لب سے لگا دیکھو
ہزارون سانپ کا منتر پھر اثر ہووے نہین جب تک

خوبان سے جو دل لگا کریگا
ڈرتا ہون یہی کہ کیا کریگا

آوے بھی مسیحا مرے بالین پہ تو کیا ہو
بیمار یہ ایسا تو نہین جسکو شفا ہو

جور و جفا پہ یار کے دل پر نگاہ کر
اپنی طرف سے ہووے جہان تک نباہ کر

خاک و خون مین صورتین کیا کیا نہ رلیان دیکھیان
اے فلک باتین تری کوئی نہ بھلیان دیکھیان

آہ ہم اپنی اثر ڈھونڈے ہے اے مجذوب تو
بید مجنون کی نہ شاخین ہم نے پھلیان دیکھیان

لب پہ تیری نا شراب لالہ دیکھی
نہ ایاغ کا فرق بہت راد دیکھی

خاموش ہو رہا ہون مجھے گنگ سمجھو
ایک عرض تمنا ہے کہ لب پہ اڑی ہے

چاہون مدد کسی سے نہ اختیار کے لئے
مین بھی تو یار کم نہین دو چار کے لیے

طوبے تلے مین بیٹھ کے رونگا زار زار
جنت مین تیرے سایہ دیوار کے لئے

ہے دردسری بلبل آزاد کی صفیر
موزون ہے نالہ مرغ گرفتار کے لیے

میر تقی مرحوم کی زبان سے انکے بابین کچھ الفاظ نکلے تھے۔ اسیر فرماتے ہین

اے میر سمجھیو مت مجذوب کو اور ان سب
ہے وہ خلف سودا اور اہل ہنر بھی ہے

اشک آنکھون مین ہو عشق سے نا دلمین جم رہے
یہ گھر ہے وہ خراب کہ آتش مین نم رہے

نکلے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر
صیاد نے سنا یہ ترانہ - تو ہم رہے

میر ضاحک

میر مرحوم کو سودا کے دیوان مین بہت مداخلت ہے - اور انکے سلسلہ اولاد مین بھی

ایسے

ایسے عالی رتبہ کا کمال پیدا ہوسکے کہ خود حسن نظر کھلاے - اسلیے ابتدا سے دل چاہتا تھا کہ اس خانوادہ سیادت کا تذکرہ مسلسل لکھوں مگر پھول نہ ہاتھ آے جو لڑی پروتا - اسواسطے طبع اول میں مختصر رہا - بے درد و بے انصاف کہ اصل میں سے بے خبر ہیں - کیا عجب انہیں اپنے مضامین اخباروں میں چمکانے کے لیے روشناسی ہاتھ نہ آتی - اور جہاں اور کتابیں چھپا میں انہیں ایک لفظ شمار بھی پڑ تا یا - راقم اثم نے اطراف مشرقی اور خاص لکھنؤ میں بھی احباب کو لکھا - کہیں سے آواز نہ آئی - البتہ مولوی غلام محمد خان تپش نے اس شفقت کے ساتھ جواب پایا کہ دل منت شفقت مندش سے رہا ہوگیا - اب کہ طبع ثانی کا موقع ہے - آرزوے قدیم پھر دل میں لہرائی - ناچار پرشکستہ ہوکر مرجھاے پھول جو دل افسردہ کے طاق میں پڑے تھے - انہی کا سہرا بنا کر سادات عظام کے روضوں پر چڑھاتا ہوں - اور جس ابتدا تک دست آگاہی سے رسائی کی وہاں سے شروع کرتا ہوں

میر ضاحک مرحوم کا نام سید غلام حسین تھا - انکے بزرگ ہرات سے آکر پرانی دلی میں آباد ہوے - خاندان سیادت انکا شجرہ ہی تھا - امامی ہروی کی اولاد میں تھے - اور شاعری بھی بزرگوں کے گھرانے میں میراث چلی آتی تھی - میر موصوف نہایت خوش طبع مزاج شگفتہ جبین - ہنسنے اور ہنسانے والے تھے - اسواسطے یہ تخلص اختیار کیا تھا - وضع لباس اور **قدماے دہلی** کا پورا نمونہ تھا - سر پر سبز عمامہ بوضع عرب - بڑے گھیر کا جامہ یا جبہ کہ وہ بھی اکثر سبز ہوتا تھا - گلے میں خاک پاک کا لنٹا - داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی

۱؎ صاحب تذکرہ ابراہیمی میر حسن مرحوم کے حال میں لکھتے ہیں کہ مغل پورہ نسبی کے پاس رہتے تھے - اور حکیم قدرت اللہ خان قاسم فرماتے ہیں کہ میر حسن مرحوم کی ولادت محلہ سید واڑہ میں ہوئی کہ پرانی دلی میں ایک محلہ تھا -

اُسپر کچھ دعائیں کندہ چھگلی بلکہ اور انگلیوں میں بھی کئی انگوٹھیاں۔ داڑھی کو مہندی لگاتے تھے۔ بہت بڑی نہ تھی۔ مگر ریش بچہ منڈاتے تھے۔ کبھی کبھی مونچھوں کو بھی مہندی ملتے تھے۔ میانہ قد رنگ کورا۔

دیوان ایک نظر سے نہیں گذرا جسپر کچھ رائے ظاہر کی جائے۔ خواص میں دیوان

جو کچھ شہرت ہے۔ اُن ہجوؤں کی بدولت ہے۔ جو سودا نے اپنے حق میں کہیں۔ سلطنت کی تباہی سے انہے بھی دلی چھوڑوائی اور فیض آباد کو آباد کیا۔ سودا سے جو انکے حق میں گستاخی کی ہے اسکا سبب یہ ہوا کہ اول کبھی یہ توقع نہ انہوں نے سودا کے حق میں کچھ فرمایا۔ سودا خود انکے پاس گئے اور کہا کہ آپ بزرگ ہیں خورد۔ آپ سید میں آپ کے جد کا غلام۔ عاصی اس قابل نہیں کہ آپ اسکے حق میں کچھ ارشاد فرمائیں۔ ایسا نہ کیجیے کہ مجھ گنہگار کے منہہ سے کچھ نکل جائے۔ اور قیامت کے دن آپکے جد کے سامنے روسیاہ ہوں۔ نواب سید الہی کے دماغ عالی ہوتے ہیں۔ انکی زبان سے نکلا کہ نہیں ہمیں شاعری میں خوردی و بزرگی کیا۔ سودا آئیں تو کہاں جائیں۔ پھر جو کچھ انہوں نے کہا خدا نہ سنوائے۔ یہہ بھی بزرگوں سے سنا کہ مرزا نے جو کچھ انکی جناب میں یاوہ گوئی کی ہے میر موصوف نے اس سے کہیں زیادہ خراب و خوار کیا تھا لیکن [illegible] کلام عجیب طرح سے فنا ہوا۔

میر حسن مرحوم انکے صاحبزادے سودا کے شاگرد تھے ۔ میر صاحب کا انتقال ہوا
تو سودا فاتحہ کے لئے گئے ۔ اور دیوان اپنا ساتھ لیتے گئے ۔ بعد رسم عزا پرسی
کے اپنی باتوں کو کہ پر حوالہ اُس مرحوم کے حق میں کی تھی بہت سے عذر کیے اور
کہا کہ سید مرحوم نے دنیا سے انتقال فرمایا تم فرزند ہو مجھ اس سیاہ سے گستاخی
ہوئی معاف کرو ۔ بعد اسکے نوکر سے دیوان منگا کر جو ہجویں انکی کہی تھیں سب
چاک کر ڈالیں میر حسن نے مقتضائے علو حوصلہ و سعادتمندی اُسیوقت
دیوان باپ کا گھر سے منگایا اور جو ہجویں اونکی تھیں وہ پھاڑ ڈالیں لیکن جو ہجو سودا
کی تصنیف قلم سے نکلتے ہی بچہ بچہ کی زبان پر سبیل جاری تھی ۔ اسلئے سب قائم رہیں
۔ انکا کلام کہ اسی مجلد کے اندر تھا ۔ مفقود ہو گیا ۔ سودا کے دیوان میں
میر صاحب مرحوم کی بہت ہجو جب میں دیکھتا تھا ۔ ع ۔ یارب بہر دعا مانگتا ہے
مجھے سکندر ۔ نوجوان ہوتا تھا کہ سکندر کا بھائی کدکام ۹ میر مہندی حسن فراغ بخشے
کو خدا مغفرت کرے ۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایکدن حسب معمول مرزا سلیمان شکوہ
ہاں پائیں باغ میں تخت بچھے تھے ۔ صاحب علم خود مسند پر بیٹھے تھے ۔ شرفا شعرا کا
مجمع تھا ۔ مرزا رفیع او میاں سکندر مرثیہ گو بھی موجود تھے کہ میر ضاحک تشریف لائے

۹ میر مہندی حسن فراغ ۔ ایک باکمال شخص سلسلہ شاہ [illegible] کے خاندان سے تھے ۔ میاں [illegible] کے شاگرد تھے فارسی کی
استعداد اچھی تھی ۔ اردو میں شعر خوب کہتے تھے ۔ اور رموز سخن سے باخبر تھے ۔ ناسخ و آتش کے زمانہ کو اچھی طرح دیکھے تھے
اور علماء لکھنؤ کی صحبتوں میں بیٹھے تھے ۔ انکے بزرگ اودھ میں [illegible] کے وظیفہ دار رہے تھے ۔ اسلئے قدیمی حالات اور خاندانی
معاملات سے واقف تھے ۔ بادشاہ بیگم یعنی نصیر الدین حیدر کی [illegible] اللہ [illegible] جب [illegible] تھے تب سے [illegible] انکے [illegible]
انکے ہاں وظیفہ دار تھے ۔ مرزا [illegible] سکندر شکوہ کی سرکار میں بھی وظیفہ دار رہے تھے ۔ [illegible] کر کے قدیمی [illegible] میں آگئے

انکی بڑائی وضع اور لباس پر کہ اندنوں میں بھی انگشت نما تھی ۔ اتفاقاً صاحب عالم نے مرزا رفیع سے
کہا کچھ ارشاد فرمایے (دونو صاحبوں کے معاملات تو انہیں معلوم ہی تھے خدا جانے چھیڑ
منظور تھی یا اتفاقاً زبان سے نکلا ۔ سودا نے کہا کہ میں نے تو اندنوں میں کچھ کہا نہیں
میان سکندر کیطرف اشارہ کیا کہ انہوں نے ایک مخمس لکھا ہے ۔ صاحب عالم نے فرمایا
سناؤ ۔ سودا نے پہلا ہی بند پڑھا تھا کہ میر ضاحک مرحوم اٹھکر میان سکندر سے
دست و گریبان ہوگئے ۔ سکندر بیچارے حیران کہ نہ واسطے نہ سبب ۔ یہ کیا آفت آگئی
سب اٹھ کھڑے ہوئے ۔ دونو صاحبونکو الگ کیا ۔ اور سودا کو دیکھئے تو کنارہ
کھڑے مسکرا رہے ہیں ۔ (یہ شان نزول ہے اس مخمس کی)

بر حال جانتا کہ انکے جلسے اور باہمی گفتگو کے لطایف و ظرایف معلوم ہوں ۔ مگر کچھ ہو تو
چند غزلیں ہی پوری ملجاوین ۔ پوری کوشش کارگر ہوئی ۔ جب ان کے چراغ خاندان
سید خورشید علی نفیس بھی شجاع توجہ دریغ فرماویں تو عمر دراز سے کیا امید ہو ۔ انہوں نے
ارادہ خاک کو آب حیات کی رسائی سے بھی سیراب نہ کیا

تشنہ بودم زدم تیغ آبم دادند | در جواب لب لعل تو جوابم دادند

تاریخ اوفات بھی نہ معلوم ہوئی ۔ ممکن نہیں کہ باکمال صاحبزادہ نے تاریخ نہ کہی ہو
تھا ارادہ کو کون بتائے ۔ صاحب تذکرہ گلزار ابراہیمی ۱۱۹۶ سنہ ہجری میں لکھتے ہیں کہ
منصف المزاج ہیں اور وارستگی سے گزران کرتے ہیں
جس تذکرہ میں دیکھا ایک ہی شعر انکا درج ہے

کیا دیجیے اصلاح خدائی کو وگرنہ | کافی تمہارا حسن اگر ماہ نہ ہوتا

خواجہ میر درد

درد تخلص۔ خواجہ میر نام۔ زبان اردو کے چار رکنوں میں سے ایک رکن یہ ہیں سلسلۂ مادری انکا خواجہ بہاء الدین نقشبندی سے ملتا ہے خواجہ محمد ناصر عندلیب تخلص۔ انکے باپ تھے۔ اور شاہ گلشن صاحب سے نسبت ارادت رکھتے تھے۔ خاندان انکا دلی میں باعث پیری و مریدی کے نہایت معزز و معظم تھا علوم رسمی سے آگاہ تھے کئی مہینے مفتی دولت صاحب سے مثنوی کا درس حاصل کیا تھا

ملک کی بربادی۔ سلطنت کی تباہی۔ آئے دن کی غارت و تاراج کے سبب سے اکثر شرفا و امرا گھبرائے گھر اور شہر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ انکے پائے استقلال کو جنبش نہ آئی۔ اپنے اللہ پر توکل رکھا اور جو سجادہ بزرگوں نے بچھایا تھا اسی پر بیٹھے رہے۔ جب تک زیست رہی برکت خدا نے بھی ساتھ دیا۔ دیوان اردو مختصر ہے سوا غزلیات۔ اور ترجیع بند اور رباعیات کے اور کچھ نہیں۔ قصائد، مثنوی وغیرہ کو عادت شعرا کی ہے انہوں نے نہیں لکھی باوجود اسکے سودا۔ میر تقی کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں مگر ان سے کم نہیں۔ ایک دیوان غزلیات فارسی کا بھی ہے۔ تصنیف کا شوق انکی طبیعت میں خداداد تھا۔ چنانچہ اول پندرہ برس کی عمر میں بحالت اعتکاف رسالہ اسرار الصلوٰۃ لکھا۔ انتیس برس کی عمر میں واردات درد نام ایک اور رسالہ لکھا۔ اور اس کی شرح میں علم الکتاب ایک بڑا نسخہ تحریر کیا کہ اسمیں ایک سو گیارہ رسالے ہیں۔ نالۂ درد۔ آہ سرد۔ درد دل شور دل۔ شمع محفل وغیرہ جنہیں شائق تصوف نظر عظمت سے دیکھتے ہیں۔

اور واقعات درد - اور ایک رسالہ حرمت غنا میں لکھے یادگار ہے۔ چونکہ
اُس زمانہ کے خاندانی۔ خصوص اہل تصوف کو شاعری واجب تھی اسواسطے
انکے والد کا بھی ایک دیوان مختصر ہوا انکے شرح کے - اور ایک رسالہ - نالۂ عندلیب موجود ہے
انکے بھائی - میان سید محمد میر اثر تخلص کرتے تھے۔ وہ بھی صاحب دیوان تھے بلکہ ایک　　سید محمد میر اثر
مثنوی خواب و خیال انکی مشہور ہے - اور بہت اچھی لکھی ہے - خواجہ میر درد صاحب
کی غزل سات شعر و سعر کی ہوتی ہے - مگر انتخاب ہوتی ہے - حضرت چھوٹی چھوٹی　　خواجہ میر درد دہلی کا انداز
بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے تھے - گویا تلواروں کی آبداری نشتروں میں بھر دیتے تھے
- خیالات انکے سنجیدہ اور متین تھے - کسی کی ہجو سے زبان آلودہ نہیں ہوئی
تصوف جیسا انہوں نے کہا اردو میں آج تک کسی سے نہیں ہوا میر صاحب انہیں آدھا　　میر صاحب نے آدھا شاعر مانا ہے
شاعر سمجھا کرتے - انکے عہد کی زبان سننی چاہو تو دیوان کو دیکھ لو - جو میر
و مرزا کی زبان ہے - وہی انکی زبان ہے -
زمانہ کے بموجب انکے کلام میں بھی - ست یعنی ہمنشہ - اور ٹک - یعنے ذرا -
تئیں یعنی کو - اور یہاں تئیں - یعنے یہاں تک - اور مجھ ساتھ - یعنے میرے ساتھ
اور ادہر - کدہر - جدہر - یعنی بہ حذف ہ وغیرہ الفاظ موجود ہیں
چنانچہ اس دور کی تمہید میں میر اور سودا کے اشعار کے ساتھ کچھ اشعار انکے
بھی لکھے گئے - دو تین شعر نمونہ کے طور پر یہاں بھی لکھتا ہوں

جلیے کہیں اُس جگہ کہ ہم ہوں اکیلے　　گوشہ نہ لگے گا کوئی سوا اس ملیگا

جانگے کے علاوہ انکے تشبیہ کی بہت - اور تھے وغیرہ ... لکھتے ہیں

ا

ایک لحظہ ادبی و وقار انجمن کا دم ... فرصت مذی زمانہ نے انہی نثرار کو
اس سے اعتراض مقصود نہیں۔ وقت کی زبان یہی تھی۔ سید انشا نے بھی لکھا ہے
خواجہ میر اثر مرحوم مثنوی میں ایک جگہ۔ ویسا ہی کہہ گئے ہیں۔ اور بڑے
سپاہی صاحب تلوار کو تروار لکھا کرتے تھے۔ لیکن اس سے قطع نظر کرکے دیکھا جاتا ہے
تو الفاظ پر تعجب آتا ہے۔ چنانچہ خواجہ میر درد کی ایک پرزور غزل کا مطلع ہے

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بتخانہ تھا ۔۔۔ ہم سبھی مہمان تھے تو ہی صاحب خانہ تھا ۔۔۔ قافیہ کا اختلاف

گویا بتخانہ کو کثرت استعمال کے سبب سے ایک لفظ تصور کیا۔ کہ دیر کے حکم میں ہو گیا۔ ورنہ ظاہر ہے
کہ یہ قافیہ صحیح نہیں۔ اگلے وقتوں کے لوگ جن میں اعتقاد بہت ہوتے تھے۔ اسوقت ۔۔۔ کسی کی نوکری نہ کی
جو لوگ اللہ کے نام پر توکل کرکے بیٹھ رہتے تھے انکی سب سے اچھی گذر جاتی تھی۔ یہی سبب ہے
کہ خواجہ صاحب کو نوکری کی بادئی سے باہر جانے کی ضرورت نہ ہوئی۔ دربار شاہی سے
بزرگوں کی جاگیریں چلی آتی تھیں۔ امیر غریب خدمت کو سعادت سمجھتے تھے یہ شکر ہے
الحمد للہ کرتے تھے۔ شاہ عالم بادشاہ نے خود انکے ہاں آنا چاہا۔ اور انہوں نے
قبول نہ کیا مگر ماہ بماہ ایک معمولی جلسہ اہل تصوف کا ہوتا تھا۔ اسمیں بادشاہ بے ۔۔۔ دلی بے نیازی
اطلاع چلے آئے۔ اتفاقاً اسدن بادشاہ کے پاؤں میں درد تھا اسلئے
ذرا پاؤں پھیلا دیا۔ انہوں نے کہا۔ امر فقیر کے آداب محفل کے خلاف ہے
بادشاہ نے عذر کیا کہ۔ معاف کیجیے عارضہ سے معذور ہوں۔

انہون نے کہا کہ - عارضہ تھا تو تکلیف کرنی کیا ضرور تھی -

موسیقی مین بڑی مہارت تھی

موسیقی مین اچھی مہارت تھی - بڑے بڑے باکمال گوئیے اپنی چیزین بنظر اصلاح لاکر سنایا کرتے تھے - راگ ایک بڑا تاثیر چیز ہے - فلاسفہ یونان اور حکمائے سلف نے اسے ایک شاخ ریاضی کا قرار دیا ہے - دل کو فرحت اور روح کو عروج دیتا ہے - اسواسطے اہل تصوف کے اکثر فرقون نے اسے بھی عبادت مین شامل کیا ہے - چنانچہ معمول تھا کہ ہر مہینے کی دوسری اور ۲۴ کو شہر کے بڑے بڑے کلاوت - ڈوم - گوئے اور صاحب کمال - اہل ذوق جمع ہوتے تھے - اور معرفت کی چیزین گاتے تھے - جس دن انکے کسی بزرگ کی وفات کے دن - محرم عم کا مہینا ہے اسمین ۲ - کو بجائے گانے کے مرثیہ خوانی ہوتی تھی -

مولوی شاہ عبد العزیز کا لطیفہ

مولوی شاہ عبد العزیز صاحب کا گھرانا اور یہ خاندان ایک محلہ مین رہتے تھے - انکے والد مرحوم کے زمانہ مین شاہ صاحب عالم طفولیت مین تھے - ایک دن اس جلسہ مین چلے گئے اور خواجہ صاحب کے پاس جا بیٹھے - ان کی مریدنی سی کنچنیاں بھی تھین - اور چونکہ اسوقت رخصت ہوا چاہتی تھین - اسلیے سب سامنے سلام کو تھین باوجودیکہ مولوی صاحب اسوقت بچہ تھے مگر انکا تبسم اور طرز نظر دیکھ کر خواجہ صاحب اعتراض کو پا گئے - اور کہا کہ فقیر کے نزدیک تو یہ سب ماں بہنین ہین - مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے تو عوام الناس مین لیکر بیٹھنا کیا مناسب ہے

خواجہ صاحب خاموش ہو رہے -

مرزا رفیع سودا کا لطیفہ

مرزا رفیع سودا انکے ہان ایک صحبت خاص ہوتی تھی - اس مین خواجہ میر درد صاحب نالۂ عندلیب یعنی اپنے والد کی تصنیفات اور اپنے کلام کچھ کچھ بیان کرتے تھے - ایکدن مرزا رفیع بے سر راہ

طوفان

ملاقات ہوئی خواجہ صاحب نے تشریف لانے کے لیے فرمائش کی مرزا نے کہا حضرت

مجھے یہ نہیں بھاتا کہ ہو کوئے کا نین کرین اور ہمین ایک بڑا مشکل جوان کر

اس زمانہ کے بزرگ ایسے صاحب کمالوں کی بات کا تحمل اور برداشت کرنا لازمہ بزرگی سمجھتے تھے

آپ مسکرا کر چپکے ہو رہے۔

مرزا موصوف کی شوخی

مرزا موصوف نے ایک قصیدہ نواب احمد علیخان کی تعریف مین لکھا تھے۔ اور تمسخر

میں اکثر شعرا کا ذکر نہیں شوخیوں کے ساتھ کیا ہے جو انکے معمولی انداز ہین۔ چنانچہ

اسکے ضمن مین کہتے ہن

دردِ سر کس طرح بلاتے ہن | کہہ کے آواز معنی و حشرین
اور جو احمق انکے سامع ہین | دم بدم انکو یون کرین تحسین
جیسے مسجد مین ترانی پر | لڑکے مکتب کے سب کہین آمین
کوئی پوچھے ذرا کہ عالم مین | فخر کس چیز کا ہے انکے تئین
شعر و قطعہ انکے دیوان کی | جمع ہووے تو جیسے نقش نگین
اسمین بھی دیکھیے تو آخر کار | یا توارد ہوا ہے یا تضمین
اتنی کچھ شاعری پہ کرتے ہن | میخ در آسمان و زمین

خیر یہ شاعرانہ شوخیان ہین۔ ورنہ عام عظمت انکی جو عالم پر چھائی ہوئی تھی

اسکے سے سودا کا دل بھی بے اثر نہ تھا بلکہ کہا ہے۔

ہمنے کس رات نالہ سر نہ کیا
پر اسے آہ کچھ اثر نہ کیا

سب کے یہاں تم ہوے کرم فرما
اسطرف کو کبھی گذر نہ کیا

دیکھنے کو رہے ترستے ہم
نہ کیا رحم تونے پر نہ کیا

تجھسے ظالم کے پاس میں آیا
جان کا اپنے کچھ خطر نہ کیا

کیوں بھوین تانتے ہو بندہ نواز
سینہ کس وقت مین سپر نہ کیا

کتنے بندون کو جان سے کھویا
کچھ خدا کا بھی تونے ڈر نہ کیا

آہ سے ہم گذر گیے کب کے
کیا ہے ظاہر مین گو سفر نہ کیا

کون دل ہے جسمین خانہ خراب
خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

سب کے جوہر نظر مین آئے درد
بے ہنر تونے کچھ ہنر نہ کیا

دل عاشق کسی شوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منھہ پہ جو دیکھا تو کہین نور نہ تھا

حضور

ذکر مرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
مین نے پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہان پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

پرورش غم کی ترے یہان تئین تو کی دیکھا
کوئی بھی داغ تھا سینہ مین کہ ناسور نہ تھا

محتسب آج تو میخانہ مین تیرے ہاتھون
دل نہ تھا کوئی کہ شیشہ کی طرح چور نہ تھا

درد کے ملنے سے اے یار برا کیون مانے
اسکو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ مین کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے مین رو دیا ہوگا

انسنے قصداً بھی میرے نالہ کو
نہ سنا ہوگا اگر سنا ہوگا

دیکھیے غم سے اب کے جی میرا
نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا

دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم
کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

حال مجھ غمزدے کا جس جس نے
جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا

یک بیک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اسکے آیا ہوگا

قطعہ

میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں
بن کئے آہ کم رہا ہوگا

لیکن اسکو اثر خدا جانے
نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خون تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

مجھے میرا جی ہے جب تک تیری جستجو ہے
زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے

خدا جانے کیا ہوگا انجام اسکا
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا
گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہے

کسو کو کسو طرح عزت ہے جگ میں
مجھے اپنے رونے سے ہی آبرو ہے

غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہوں نہ تو ہے

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمین کام ان گلون سے اے صبا
ایک دم آئے ادہر اودہر چلے

دوستو دیکھا تماشا یہان کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

آہ بس مت جی جلا تب جانیے
جب ترا افسون کوی اس پر چلے

شمع کی مانند ہم اس بزم مین
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈتے ہین آپ سے اسکو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم نجانے پے باہر آپ سے
وہ ہی آڑے آ گیا جیدہر چلے

ہم جہان مین آئے تھے تنہا ولے
ساتھ اپنے اب اسے لیکر چلے

جون شرر ہستی بے بود یہان
بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یہان لگ رہا ہے چل چلاو
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کدہر چلے

ہے غلط اگر گمان مین کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان مین کچھ ہے

دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہے
آن مین کچھ ہے آن مین کچھ ہے

بے خبر تیغ یار کہتی ہے
باقی اس نیم جان مین کچھ ہے

ان دنون کچھ عجب ہے دل کا حال
دیکھتا کچھ ہے دھیان مین کچھ ہے

درد تو جو کرے ہے جی کا زیان
فائدہ اس زیان مین کچھ ہے

اقلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
ہمی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

لبوں کا غازہ آتش رہے مرے گلرو
ترے جلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہیں

یہ کسنے ہم سے کیا وعدہ ہم آغوشی
کہ سیل بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

ہمیشہ فتح نصیبی میں اضطراب رہی
جو کچھ کہ آج ہے جی میں سو یار رکھتے ہیں

پلائے نشہ و دنیا کہ تا قیامت آہ
سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

جہاں کے باغ سے ہم دل سوا نہ پھل پایا
فقط یہی ثمر و شعار رکھتے ہیں

اگرچہ خنجر زر کے ہے محتسب درپے
جو ہو سو ہو پر اسے اب تو یار رکھتے ہیں

ہر ایک شعلہ غم عشق ہمسے روشن ہے
کہ بیقراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

فلک سمجھ تو سہی ہے اور گلوگیری
یہ ایک عجب ہے سو تار تار رکھتے ہیں

بتوں کے جور اٹھائے ہزار ہا ہمنے
جواب یہ بھی نہیں اختیار رکھتے ہیں

بھری ہے آگ کے جنہوں میں ہوائے آزادی
حباب وار کلہ بھی اتار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

جنہوں کے دل میں جگہ کی ہے نقش عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوح مزار رکھتے ہیں

ہر اک سنگ میں ہے شوخی بتان پنہاں
خنک یہ سب ہیں پہ دلمیں شرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ درد اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

رباعی

پیدا کرے ہر چند تقدس بندہ
مشکل ہے کہ حرص سے ہو دل برکندہ
جنت میں بھی اکل و شرب سے حسن نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی ہوگا بندہ

سید محمد میر - سوز

سوز تخلص سید محمد میر - وہی شخص ہین جنہین میر تقی نے یار و شاعر مانا ہے
میر صاحب نے یار و شاعر مانا ہے

پرانی دلی مین قراول پورہ ایک محلہ تھا وہان رہتے تھے - مگر اصلی وطن بزرگون کا بخارا تھا - باپ ان کے سید ضیاء الدین بہت بزرگ شخص تھے - تیر اندازی مین صاحب کمال مشہور تھے - اور حضرت قطب عالم گجراتی کی اولاد مین تھے سوز مرحوم پہلے میر تخلص کرتے تھے - میر تقی مرحوم - میر کے تخلص سے عالمگیر ہوئے تو انہون نے سوز اختیار کیا چنانچہ ایک شعر مین دو نو تخلصون کا اشارہ کرتے ہین

تخلص تبدیل کیا

کہتے تھے پہلے میر میر تب نہ ہوئے ہزار حیف　　　اب جو کہے ہین سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

طرز قدیم

جو کچھ حال انکا بزرگون سے سنا یا تذکرون مین دیکھا - اسکی تصدیق انکا کلام کرتا ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبع موزون کے آئینہ کو جس طرح فصاحت نے صفائی سے جلا کی تھی اسی طرح ظرافت اور جوش طبعی نے اسمین جوہر پیدا کیا تھا - ساتھ اسکے صفائی دل و نیک ذاتی نے زینت دی تھی - اس سے زیادہ شگفتن اخلاق اور شیرین کلامی نے دل پذیر کیا تھا - اور خاکساری نے سب جوہرون کو زیادہ تر چمکایا تھا - آزادگی کے ساتھ وضعداری بھی ضرور تھی - جسکا نتیجہ یہ تھا کہ باوجود مفلسی کے ہمیشہ مسند عزت پر صاحب تمکین اور امرا اور روسا کے پہلوؤن مین رہے - اور اسی مین معیشت کا گذارہ تھا -

حاشیہ ۵ دیکھو صفحہ ... - میر صاحب ملک سخن کے بادشاہ تھے جن لفظون مین چاہا کہہ دیا مگر بات ٹھیک ہے - دیوان دیکھ لو - باتین ہی باتین ہین - باقی خیر عافیت

دلی کی مفارقت — شاہ عالم کے زمانہ میں جب اہل دلی کی تباہی حد سے گذر گئی تو ۱۱۹۱ھ میں لباس فقر
اختیار کیا اور لکھنؤ چلے گئے۔ مگر وہاں سے ۱۱۹۳ھ میں ناکام فرخ آباد گئے۔ یہاں بھی
نصیب نے یاوری نہ کی۔ پھر لکھنؤ میں آئے اتنے میں قسمت نے رجوع کی اور نواب آصف الدولہ
انکے شاگرد ہوئے۔ چندے آرام سے نہ گذرنے پائے تھے کہ خود دنیا سے گذر گئے۔

انہیں کا — نواب کی غزلیں کہو یا لکھو انہیں کا انداز ہے۔

صاحب تذکرہ گلزار ابراہیمی لکھتے ہیں۔ اب کہ ۱۱۹۶ھ ہے۔ میر موصوف لکھنؤ میں ہیں۔
لیکن ان سید والا نژاد سے راقم آثم کی ملاقات نہ ہوئی۔ مگر اس ہی برس میں کچھ اپنے شعر اور چند
فقرے نثر کے اس خاکسار کو بھیجے ہیں۔ میر سوز شخصے است کہ مجلس را از ہلائے خبر
سکوت واکراہ حاصل نشود۔ و این نیز قدرت کمال الٰہی است کہ مرکب بلکہ خارج حیثیت کہ
بکار چند بباید بس اگر سنگرے سوال کند کہ ناکارہ محض مقابرہ ست ج انیست کہ نامستق
حسن خط — سوختنی است۔ خط شفیعا اور نستعلیق خوب لکھتے تھے۔ ممالک ایران و
خراسان وغیرہ میں قاعدہ ہے۔ کہ جب شرفا ضروریات سے فارغ ہوتے ہیں تو ہم لوگوں
کی طرح خالی نہیں بیٹھتے۔ شوق خط کیا کرتے ہیں۔ اسیواسطے علی العموم اکثر خوشنویس ہوتے ہیں۔
شہسواری اور تیر اندازی — پہلے یہاں بھی یہی دستور تھا اب خوشنویسی تو بالاے طاق بدنویسی پر بھی حرف ہے۔
میر موصوف سوارکاری شہسواری اور فنون سپہ گری میں ماہر۔ خصوصاً تیر اندازی میں قدر انداز تھے
ورزش کرتے تھے اور طاقت خداداد بھی اسقدر تھی کہ ہر ایک شخص انکی کمان کو چڑھا نہ سکتا تھا
داغ انکے بیٹے تھے — غرض کہ ۱۲۱۳ ہجری میں شہر لکھنؤ میں ۷۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے ان کے بیٹے بھی شاعر تھے
اور باپ کے تخلص کی رعایت سے داغ تخلص کرتے تھے۔ جوانی میں اپنے مرنے کا داغ دیا
اس سے زیادہ افسوس یہ کہ کوئی غزل انکی دستیاب نہ ہوئی۔ خود حسین تھے اور حسینوں کے

سیدھی زبان دکھانے والے تھے۔ تمام عمر فراق میں جان دی۔ میر سوز مرحوم کی زبان عجب سیدھی سادی زبان تھی
دیتی ہیں اور حقیقت میں غزل کی جان ہے۔ چنانچہ غزلیں خود ہی کہہ دیتی ہیں۔ انکی اثر پردازی کا حسن
کر عوام ہی لیتے تھے تکلف و صنایع معنوی سے بالکل پاک ہے۔ اس خوشنمائی کی ایسی مثال ہے جیسے ایک
سا معمول ہری یا سبز ٹہنی پر کٹورا سا دھرا ہے۔ اور سبزہ پتوں میں اپنا اصلی جوبن دکھا رہا ہے
جن اہل نظر کو خدا نے نظر باز آنکھیں دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک حسن خداداد کے سامنے ہزاروں
بناوٹ کے بناؤ سنگار قربان ہوا کرتے ہیں۔ البتہ غزل میں دو تین شعر کے بعد ایک آدھ برا لفظ
کھٹک جاتا ہے۔ خیر اس سے قطع نظر کرنی چاہیے ع مگر معقول لفظ ما کل لے جانا بہت

غزل کا انداز اصلی ضرور

غزل لغت میں عورتوں سے باتیں کرنی ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے
ہجر یا وصل کے خیالات کو وسعت دیکر اس کے بیان سے دل کے ارمان یا غم کا نکالنا
اور زبان بھی وہ ہو کہ گویا دو تو آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ پس وہ کلام انکا ہے
معشوق کو بجائے جاناں کے لفظ جان۔ یا میاں۔ یا میاں جان کہکر خطاب کرنا انکا خاص محاورہ ہے

انکی اور میر سوز کی ... کی کلام میں انداز

مجالس رنگین کی بعض مجلسوں سے اور ہمارے عہد سے پہلے کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے
کہ انکا کلام صفائی محاورہ اور لطف زبان کے باب میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے۔ ان کے
شعر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی چاہنے والا اپنے چاہنے والے عزیز سے بیٹھا باتیں کر رہا ہے
وہ اپنی محبت کی باتوں کو اس طرح شعر میں باندھتے تھے کہ شعر کی موزونیت کے لیے لفظوں
کا آگے پیچھے کرنا بھی گوارا نہ سمجھتے تھے۔ میر تقی بھی کہیں کہیں ان کے قریب آجاتے ہیں
پھر بھی بہت فرق ہے۔ وہ بھی محاورہ خوب باندھتے تھے۔ مگر فارسی کو خوب
نباہتے تھے۔ اور مضامین بلند لاتے تھے۔ سودا بہت دور ہیں
کیونکہ مضامین کو تشبیہ و استعارہ کے رنگ میں ڈبو کے دیکر محاورے میں ترکیب دیتے تھے

اور

اور اپنے زور شاعری سے لفظوں کو پس و پیش کر کے اس بندش کے ساتھ جڑ لیتے ہیں کہ لطف اسکا دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا ہے

میر سوز۔ جیسے سیدھے سیدھے مضمون باندھتے تھے۔ ویسے ہی آسان آسان طرحیں بھی لیتے تھے۔ بلکہ اکثر ردیف کو چھوڑ کر قافیہ ہی پر اکتفا کر لیتے تھے۔ ان کے شعر کا قوام فقط محاورہ کی چاشنی پر ہے۔ اضافت۔ تشبیہ۔ استعارہ۔ فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت کم ہیں۔ ان لحاظوں سے انہیں گویا اردو غزل کا شیخ سعدی کہنا چاہیے۔ اگر اس انداز زبان ریختی یعنی فارسی کے رنگین رنگین خیال اس میں داخل نہ ہوتے اور قوت بیانی کا مادہ اس میں زیادہ ہوتا تو انواع میں اس قدر دشواری نہ ہوتی۔ اب دو بڑی مشکلیں ہیں۔ اول یہ کہ رنگین استعارات اور مبالغے کے خیالات گویا مثل تکیہ کلام کے زبانوں پر چڑھ گئے ہیں۔ یہ عادت چھڑانی چاہیے۔ پھر اس میں نئے انداز اور سادہ خیالات کا داخل کرنا چاہیے۔ کیونکہ سالہا سال سے کہتے کہتے اور سنتے سنتے کہنے والوں کی زبان اور سننے والوں کے کان اسی انداز سے ایسے آشنا ہو گئے ہیں کہ نہ سادگی میں لطف زبان کا حق ادا ہو سکتا ہے نہ سننے والوں کو مزا دیتا ہے۔

امتیاز دوم زیادہ تر سودا نے اور پھر میر نے اس طریقے کو بدلا کہ استعاروں کو ہندی محاورے کے ساتھ ملا کر ریختہ متین بنایا۔ اگر میر و سودا اور ان کی زبان میں فرق بیان کرنا ہو تو یہ کہہ دو کہ بہ نسبت عہد سودا کے دیوان میں اردو کا نوجوان چند سال چھوٹا ملے ہے۔ اور یہی امر کیا باعتبار مضمون اور کیا بلحاظ محاورہ قدیم ہر امر میں خیال کر لو۔ چنانچہ کہہ کہ علامت

منقول ہے - لیکن وہ ہجو کا قافیہ بھی باندھ جاتے تھے - انہوں نے سوائے

تعداد دیوان غزل کے اور کچھ نہیں کہا - اور اسوقت تک اردو کی شاعری کی اتنی ہی بساط تھی

۱۲ سطر کے صفحے سے ۲۰۰ صفحے کا کل دیوان ہے - اس میں سے ۱۸۸ صفحے

غزلیات - ۱۲ صفحے مین مثنوی - رباعی - مخمس - باقی والسلام - آغاز مثنوی

کا یہ شعر ہے -

دعوے بڑا ہے سوز کو اپنی کلام کا
جو غور کیجیے تو ہے کوڑی کے کام کا

سودا کا لطیفہ نقل - ایکدن سودا کے ہاں میر سوز تشریف لائے - اُن دنوں میں شیخ علی حزین کی

غزل کا چرچا تھا جسکا یہ مطلع ہے -

اُو ہم از لطف نہان دور نشست نگاہے گاہے
بنگر قسم بجا با سر راے گاہے

میر سوز مرحوم نے اپنا مطلع پڑھا -

اے فلک بہر خدا رخصت آہے گاہے
نہین تکسے ہے میرے دل کی ایاگاہے

مرزا سنکر بولے کہ میر صاحب بچپن مین ہمارے ہان ڈومنیان ایا کرتی تھین - یا تو

جب یہ لفظ سنا تھا یا آج سنا ہے - میر سوز بیچارے متکر چپکے ہو رہے -

پھر مرزا نے خود اسیوقت مطلع کہکر پڑھا -

گاہ ہون جنگل مین اے برق نگاہے گاہے
نہین جون گل ہوس ابر سیاہے گاہے

بیان جرأت کی اُن دنوں مین ابتدا تھی خود جرأت نکر سکے - ایک اور شخص نے

کہا کہ حضرت یہ بھی کچھ عرض کیا چاہتے ہیں - مرزا نے کہا - کیون بھئی

جرأت نے پڑھا۔

سبزی اپنے ملاقات بھی گاہے گاہے ۔ صحبت غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے

سب نے تعریف کی اور میرزا موصوف نے بھی تحسین و آفرین کے ساتھ پسند کیا اسی بحر میں ایک
اور مطلع یاد آیا ہے جا ہو ظفر کا کہو چاہو ذوق کا سمجھو

اس طرف بھی نہیں لازم ہے نگاہے گاہے ۔ دمبدم لحظ بلحظ نہیں گاہے گاہے

نقل۔ کسی شخص نے ان سے آکر کہا کہ حضرت ایک شخص آپ کے تخلص پر ہنستے تھے
کہتے تھے کہ سوز کو کیا تخلص رکھا ہے ہم پسند نہیں۔ انہوں نے کہنے والے کا
نام پوچھا۔ اس نے بہ دقت انکار و اصرار کے بتایا۔ معلوم ہوا کہ شخص موصوف بھی شاعر
ہیں بیشتر آتے ہیں۔ میر سوز مرحوم نے کہا کہ خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ اب کے صحبت مشاعرہ
میں تم مجھ سے بر سر جلسہ یہی سوال کرنا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور با آواز بلند پوچھا
حضرت آپ کا تخلص کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ صاحب قبلہ فقیر نے تو میر کیا تھا۔ مگر وہ
میر تقی صاحب نے پسند فرمایا۔ فقیر نے خیال کیا کہ ان کے کمال کے سامنے میرا نام نہ روشن
ہو سکیگا۔ ناچار سوز تخلص کیا (شخص مذکور کی طرف اشارہ کر کے کہا) سنتا ہوں یہ صاحب
گوز کرتے ہیں۔ مشاعرہ میں عجب قہقہہ اڑا۔ لکھنؤ میں ہزاروں آدمی مشاعرہ میں جمع
ہوتے تھے سب کے کان تک آواز نہ گئی تھی۔ کئی کئی دفعہ کہوا کر سنا۔ ادھر شخص موصوف
ادھر میر تقی صاحب دونوں چپ بیٹھے سنا کیے۔

انہوں نے علاوہ شاعری کے شعر خوانی کا ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ جس سے کلام کا لطف شعر خوانی کا انداز

لطف دوچند ہو جاتا تھا - شعر کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ خود مضمون کی صورت بن جاتے تھے - اور لوگ بھی نقل اتارتے تھے - مگر وہ بات کہاں - ادا اور زور کے شعر نہایت نرمی اور سوز و گداز سے پڑھتے تھے - اور اس میں اعضا سے بھی مدد لیتے تھے - مثلاً شمع کا مضمون باندھتے تو پڑھتے وقت ایک ہاتھ سے شمع اور دوسرے کی اوٹ سے وہیں فانوس تیار کر کے بتاتے - بیدماغی - یا ناراضی کا مضمون ہوتا تو خود بھی تیوری چڑھا کر وہیں بگڑ جاتے - اور تم بھی خیال کر کے دیکھ لو اکثر اشعار اپنے پڑھنے کے لئے صرف حرکات و انداز کے طالب ہیں چنانچہ یہ قطعہ بھی ایک خاص موقع پر ہوا تھا - اور عجیب انداز سے پڑھا گیا -

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے | سلام اللہ خان صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پری رو | ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

یہ جو تھا مصرعہ پڑھتے پڑھتے وہیں زمین پر گر پڑے - گویا پریزادوں کو دیکھتے ہی دل بے قابو ہو گیا - اور ایسے بدحال ہوئے کہ ارے رے رے کہتے کہتے غش کھا کر لیٹ گئے بےہوش ہو گئے - ایک غزل اس قطعہ اس انداز سے بنایا تھا کہ سارے مشاعرہ کے لوگ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے

او یار سیاہ زلف سمجھ کہہ | بتلا دے دل جہاں چھپا ہو
کنڈلی تلے دیکھیو نہ ہووے | کالا نہ کہیں ترا بسا ہو

پہلے مصرع پر ڈرتے ڈرتے - مجاز جھکے - گویا کنڈلی تلے دیکھنے کو جھکے ہیں - اور خوف کھا - کالا نہ کہیں - بس دفعۃً ہاتھ کو چھاتی تلے سمیٹ کر - ایسے بے اختیار لوٹ گئے کہ لوگ گھبرا کر سنبھالنے کو کھڑے ہو گئے - صحیح اتفاقی ہے - محاورہ میں بعض کہتے ہیں - نواز بنش آگے بتا کر دو کا نام ہم لڑکپن میں سنا کرتے تھے

اور کچھ کہتے تھے لوعدی کا اس انداز مین کہتے تھے ـ مرزا رجب علی سرور صاحب
فسانہ عجائب آپکے شاگرد تھے

سر دیوان پر اپنے جو بسم اللہ مین لکھنا ／ بجاے مد بسم اللہ مد آہ مین لکھنا
مجھکو تیرے نشین سے بجز خیال خوب زشت ／ ایک ہے اسکو بوسہ دوزخ و باغ بہشت
جا جو اطوف دل ستان کر دو تجھے ملے ／ ورنہ کعبہ مین دھرا ہے کیا بغیر از سنگ و خشت
نامہ گر یار ہے ہم سے خفا تو تجھکو کیا ／ جبین پشانی ہی ہے اسکی ہماری سرنوشت

سوز نے دامن جو ہین پکڑا تو دو ہین جھین کر
کہنے لگا ـ ان دنون کچھ روز چل لگا ہے بہشت

بھلا رے عشق تیری شوکت و شان ／ بھائی سر سے توڑ گئے اوسان
ایک ڈر تھا کہ جی بچے نہ بچے ／ دوسرے غم نے کھائی میری جان
بس غم یار ایک دن دو دن ／ اس سے زیادہ ہو جیو مہمان ـ
نہ کہ بیٹھے ہو پاؤن پھیلا کر ／ اپنے گھر جاؤ خانہ آبادان ـ
عارضی حسن پر نہ ہو مغرور ／ میرے پیارے یہ گو ہے یہ میدان
پھر ہے نے زلف و خال زیر زلف ／ چار دن تو بھی کھیل لے چوگان

اور تو اور کچھ سے دو باتین ::
سوز کھلا یا صاحب دیوان

مرا جان جاتا ہے یارو بچالو ／ کلیجہ مین کانٹا گڑا ہے نکالو ـ
نہ بھائی مجھے زندگانی نہ بھائی ／ مجھے مار ڈالو مجھے مار ڈالو ـ
خدا کے لیے میرے اے ہم نشینو ／ وہ بانکا جو جاتا ہے اسکو بلالو

اگر وہ خفا ہو کے کچھ گالیاں دے — تو وہ تمھارا ہو کچھ برا تو سہ لو
نہ آوے اگر وہ تمھارے کہے سے — تو منت کرو گھیر کے گھر منا لو
کہو ایک بندہ تمھارا مرے ہے — آ بے جان کندن ہے جیکر بچا لو

جلوں ان کی تیری آہ سولی سے بیا ہے
تم اس سوز کی اپنے حق میں دعا لو

ہوا دل کو میں کہا کہتا دوانا — پر اس بے خبر نے کہا کچھ نہ مانا
کسو دم تو میٹھے رہو پاس میرے — سیاں تم بھی کھیلنا ہوں تک ر دیکھا نا
مجھے تو تمھاری خوشی چاہیے ہے — تمھیں گو ہو منظور میرا کڑھانا
گیا ایک دن اس کے کوچے میں ناگاہ — لگے کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

کہاں ڈھونڈوں ہے ہے کدھر جاؤں یارب
کہیں جان کا یا نہیں ہے ٹھکانا

کہوں کس سے حکایت آشنائی — سنو صاحب یہ باتیں ہیں جدا کی
دعا دی تو لگا کہنے کہ دور ہو — سنی ہے دعا تیری دعا کی
کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا — تمھارے ساتھ جو بیتے جفا کی
گریباں میں ذرا منہ ڈال دیکھو — کہ تم نے اس وفا پر ہم سے کیا کی
تو کہتا ہے کہ بس بیچ بیچ کر ہند — وفا لایا ہے دشت تیری وفا کی
عدم سے زندگی لائی تھی بہلا — کہ دنیا چاہیے ہے اچھی فضا کی
جنازہ دیکھتے ہی بس ہوا دل — کہ ہے ظالم دغا کی رے دغا کی
تجھے اے سوز کیا مشکل بنی ہے — جو ڈھونڈ ہے سفارش اغنیا کی
کوئی مشکل نہیں رہتی ہے مشکل — محبت سے اگر مشکل کشا کی

دل کے اشکوں سے خراب ہوا
جل گیا بل گیا کباب ہوا

اشک آنکھوں سے بہہ نہیں تھمتا
کیا بدر دل سے دلہن آب ہوا

جن کو نت دیکھتے تھے اب اُن کا
دیکھنا بھی خیال و خواب ہوا

یار اغیار ہو گیا ہیہات
کیا زمانے کا انقلاب ہوا

سارا دیوان زند کی دیکھا
ایک مصرع نہ انتخاب ہوا

سوز بیہوش ہو گیا جب سے
تیری صحبت میں باریاب ہوا

عاشق ہوا اسیر ہوا مبتلا ہوا
کیا جانیے کہ دیکھتے ہی لگو کیا ہوا

سر مشق ظلم تو نے کیا مجھ کو واہ واہ
تقصیر یہ ہوئی کہ ترا آشنا ہوا

دل تھا بساط میں سو کوئی اسکو لے گیا
اب کیا کروں لگا ہے سر اپنے الٰہی کیا ہوا

پاتا نہیں سراغ کروں کس طرف تلاش
دیوانہ دل کدھر کو گیا آہ کیا ہوا

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا
کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

آج اس راہ دلربا گذرا
جی یہ کیا جانیے کہ کیا گذرا

آہ ظالم نے کچھ نہ مانی بات
میں تو اپنا سا جی چلا گذرا

جان سے کیا کروں بیان احسان
یہ نہ ہوتا تو مر گیا ہوتا

اب تو آیا ہے بس خدا کو مان
کچھ شکوہ تھا سو آن گذرا

رات کو نیند ہے نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا

سوز کے قتل پر کمر مت باندھ
ایسا جاتا ہے عشق کا گذرا

سہو دوسری غزل کی نقل غلطی

یار گر صاحبِ وفا ہوتا　　کیوں ستاتی جفا کی [illegible] ہوتا

ضبط سے بیٹھے ہو رہے تجھ بن　　ورنہ اکثر تو مر گیا ہوتا

جان کے کیا ہر روز ستاں احسان　　یہ نہ ہوتا تو مر گیا ہوتا

روٹھنا تب مجھے مناسب تھا　　جو تجھے میں نے کچھ کہا ہوتا

ہاں میاں جانتا تو میری قدر
جو کہیں تیرا دل لگا ہوتا

بلبل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا　　اپنے ہی من میں ہوئیگی گلزار دیکھنا

نازک ہے دل نہ ٹھیس لگانا اسے کہیں　　غم سے بھرا ہے اے مرے غمخوار دیکھنا

شکوہ عبث ہے یار کے جور و جفا کا [illegible]　　غیروں کی ساتھ شوق سے دیدار دیکھنا

سودا کی بات بھول گئی سوز صحبت
جو کچھ خدا دکھاوے سو لاچار دیکھنا

کچھ کہ لو قاصد آیا ہے وہ ماہ　　الحمد اللہ الحمد اللہ

جھوٹے کے منہ میں آگ لگے کیوں لیا　　استغفر اللہ استغفر اللہ

یاد آتا ہے تیرے یار کی ایسی تیسی
تہ ماتا ہے تیرے پیار کی ایسی تیسی

میر محمد تقی میر

میر تخلص محمد تقی نام خلف میر عبد اللہ شرفائے اکبر آباد سے تھے سراج الدین علیخان آرزو زبان فارسی کے مصنف اور مسلم الثبوت محقق ہندوستان میں تھے مگر ایسا بھی کہتے ہیں کہ میر صاحب کے ان کے دور کا رشتہ تھا

اور بیشتر اہل نظر ایسی ہی ... خان آرزو کے بھانجے مشہور ہیں۔ در حقیقت میر عبداللہ کی
پہلی بی بی سے تھے۔ وہ مر گئیں تو خان آرزو کی ہمشیرہ سے شادی کی تھی۔ اس لئے
سوتیلے بھانجے ہوئے۔ میر صاحب کو ابتدا سے شعر کا شوق تھا۔ باپ کے مرنے
کے بعد دلی میں آئے اور خان آرزو کے پاس رہے۔ انہوں نے اور ان کی شاعری نے
پرورش پائی۔ مگر خان صاحب حنفی مذہب تھے۔ اور میر صاحب شیعہ۔ اس پر نازک مزاجی غضب
غرض کسی مسئلہ پر بگڑ کر الگ ہو گئے۔ مدنظر زمانہ کا دستور ہے کہ جب کسی نیک نام کے دامن
شہرت کو ہوا میں اڑتے دیکھتا ہے تو ایک داغ لگا دیتا ہے۔ چنانچہ تذکرہ شورش
میں لکھا ہے کہ خطاب سیادت انہیں شاعری کی درگاہ سے عطا ہوا۔ کہن سال
بزرگوں سے یہی سنا ہے کہ جب انہوں نے میر تخلص کیا تو ان کے والد نے منع کیا کہ
ایسا نہ کرو۔ ایکدن خواہ مخواہ سید ہو جاؤ گے۔ اسوقت انہوں نے خیال نہ کیا۔ رفتہ
رفتہ ہو ہی گئے۔ سودا کا ایک قطعہ بھی اس بارہ میں لوگوں سے سنا ہے مگر کلیات میں
نہیں۔ شاید اس میں بھی یہی اشارہ ہو۔

بیٹھے تنور طبع کو جب گرم کر کے میر — کچھ شیرمال سامنے کچھ نان کچھ پنیر

آخیر میں کہتے ہیں۔

میری نسل سب مصالح میں منقود — پشتا ... سے نہ اور اب کو نہ میر

پھر بھی اتنا واجب سمجھتا ہوں کہ ان کی مسکینی و غربت اور صبر و قناعت۔ تقوے و طہارت
محضر بنا کر ادائے شہادت کرتے کہ سیادت میں شبہ نہ رہ جائے۔ اور زمانہ کا کیا ہے
کس کس کو کیا نہیں کہتا۔ اگر وہ سید نہ ہوتے تو خود کیوں کہتے۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

غرض ہر چند کہ مفلس تھا۔ میر صاحب کے لطیفے سخن کی اعلی آفتاب ہو کر چمکے۔ دلی
نے انکے کلام کو امرا اور بادشاہوں کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور نام کو پھولوں کی مہک بنا کر اڑا دیا ہندوستان
میں یہ بات انہی کو نصیب ہوئی ہے کہ مسافر غزلوں کو تحفے کے طور پر شہر سے شہر میں لے جاتے تھے۔
یہ بھی ظاہر ہے کہ نحوست اور فلاکت قدیم سے اہل کمال کے سر پر سایہ کیے ہیں۔ ساتھ اسکے
میر صاحب کی بلند نظری نام غضب کی تھی۔ کہ دنیا کی کوئی بڑائی۔ اور کسی شخص کا کمال یا بزرگی
انہیں بھی نہ دکھائی دیتی تھی۔ اس قباحت نے نازک مزاج بنا کر ہمیشہ دنیا کی راحت اور
فارغ البالی سے محروم رکھا اور وہ وضعداری اور قناعت کے دھوکے میں اسے فخر سمجھتے رہے
یہ الفاظ گستاخانہ جو زبان سے نکلے ہیں۔ راقم روسیاہ انکی روح پاک سے عفو چاہتا ہے
لیکن خدا گواہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا فقط اسلیے ہے کہ جن لوگوں کو دنیا میں گذارہ کرنا ہے۔ وہ دیکھیں
کہ ایک صاحب جوہر کا جوہر یہ باتیں کیونکر خاک میں ملا دیتی ہیں۔ چنانچہ انہیں کے حالات و مقالات
عنقریب اس بیان کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ دلی میں شاہ عالم کا دربار
اور امرا و شرفا کی محفلوں میں با ادب ہر وقت ان کے لیے جگہ خالی کرتا تھا۔ اور ان کے جوہر
کمال۔ اور نیکی اطوار و اعمال کے سبب سے سب عظمت کرتے تھے۔ مگر خالی آدابوں سے
خاندان تو نہیں پل سکتے۔ اور وہاں تو خود خزانہ سلطنت خالی پڑا تھا۔ اسلیے
۱۱۹۶ھ میں دلی چھوڑنی پڑی۔
میر صاحب لکھنؤ [illegible] میں
جب لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک
ہو گئے۔ اور دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی۔ یہ اس کی
طرف سے منہ پھیر کر ہو بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد پھر اس نے بات کی۔ میر صاحب چیں
بجبیں

یہ سنکر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے - بیشک گاڑی میں بیٹھیے
مگر باتوں سے کیا تعلق - انہوں نے کہا - حضرت کیا مضائقہ ہے . راہ کا شغل ہے -
باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے - میر صاحب بگڑ کر بولے کہ خیر - آپ کا شغل ہے
میری زبان خراب ہوتی ہے -

مشاعرہ میں ظرافت لکھنؤ والوں کی

لکھنؤ میں پہنچکر جیسا مسافروں کا دستور ہے - ایک سرائے میں اترے -
معلوم ہوا کہ آج یہاں ایک جگہ مشاعرہ ہے - رہ نہ سکے - اسوقت غزل لکھی اور مشاعرہ
میں جا کر شامل ہوئے - ان کی وضع قدیمانہ - کھڑکی دار پگڑی - پچاس گز کے گھیر کا جامہ
ایک پورا تھان پستولیے کا کمر سے بندھا ہوا - ایک رومال پٹڑی دار تہہ کیا ہوا اس میں
آویزاں - مشروع کا پاجامہ - جسکے عرض کے پائنچے - ناگ پھنی کی انی دار جوتی -
جسکی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک - کمر میں ایک طرف سیف یعنے سیدھی تلوار - دوسری
طرف کٹار - ہاتھ میں جریب - غرض جب داخل محفل ہوئے تو وہ شہر لکھنؤ - نئے انداز
نئی تراشیں - بانکے ٹیڑھے جوان جمع - انہیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے - میر صاحب
بیچارے غریب الوطن زمانہ کے ہاتھ سے پہلے ہی دل شکستہ تھے - اور بھی دلتنگ
ہوئے - اور ایک طرف بیٹھ گئے - شمع انکے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی
اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہاں ہے - میر صاحب نے یہ قطعہ
فی البدیہہ کہکر غزل طرحی میں داخل کیا

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو | ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب | رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اسکو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا | ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

سب کو حال معلوم ہوا۔ بہت معذرت کی۔ اور میر صاحب سے عفو تقصیر چاہی۔ کمال کے [illegible]
صبح ہوتے ہوتے شہر میں مشہور ہو گیا کہ میر صاحب تشریف لائے ہیں۔ رفتہ رفتہ نواب
آصف الدولہ مرحوم نے سنا اور دو سو روپیہ مہینا کر دیا۔
عظمت و اعزاز جو اس کمال کے خادم ہیں۔ اگرچہ انہوں نے لکھنؤ میں بھی میر صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا
مگر انہوں نے بھی بد دماغی اور نازک مزاجی کو جو ان کے ذاتی مصاحب تھے اپنے دم کے ساتھ ہی رکھا
چنانچہ کبھی کبھی نواب کی ملازمت میں جاتے تھے۔
ایک دن نواب مرحوم نے ایک غزل کی فرمائش کی۔ دوسرے تیسرے دن جو پھر گئے نواب آصف الدولہ
تو پوچھا کہ میر صاحب۔ ہماری غزل لائے۔ میر صاحب نے تیوری میل کر کہا۔ جناب عالی کی فرمائش
مضمون غلام کی جیب میں تو بھرے ہی نہیں کہ کل آپ نے فرمائش کی آج غزل حاضر کر دے
اس فرشتہ خصال نے کہا۔ خیر میر صاحب جب طبیعت حاضر ہو گی کہہ دیجئے گا
ایک دن نواب نے بلا بھیجا۔ جب پہنچے تو دیکھا کہ نواب حوض کے کنارے کھڑے ہیں میر صاحب کی نازک مزاجی
ہاتھ میں چھڑی ہے۔ پانی میں لال سبز مچھلیاں تیرتی ہیں۔ آپ تماشا دیکھ رہے ہیں
میر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میر صاحب کچھ فرمائیے۔ میر صاحب نے
غزل سنانی شروع کی۔ نواب سنتے جاتے تھے۔ اور چھڑی کے ساتھ مچھلیوں سے بھی
کھیلتے جاتے تھے۔ میر صاحب چیں بہ جبیں ہوتے تھے اور ہر شعر پر ٹھہر جاتے تھے
نواب کہے جاتے تھے کہ ہاں پڑھئے۔ آخر چار شعر پڑھ کر میر صاحب ٹھہر گئے۔ اور بولے کہ
پڑھوں کیا آپ تو مچھلیوں سے کھیلتے ہیں۔ متوجہ ہوں تو پڑھوں۔ نواب نے کہا
جو شعر ہوگا آپ متوجہ کر لے گا۔ میر صاحب کو یہ بات زیادہ تر ناگوار گزری۔

غزل جیسی دل گر گرتے آئے ۔ اور میر صاحب کا چھوڑ دینا ۔ چند روز کے بعد
ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے ۔ نواب کی سواری سامنے سے آگئی ۔ دیکھتے ہی
نہایت محبت سے بولے کہ میر صاحب آپ نے بالکل ہمیں چھوڑ دیا ۔ کبھی تشریف بھی نہیں
لاتے ۔ میر صاحب نے کہا بازار میں باتیں کرنا آداب شرفا نہیں ۔ یہ کیا گفتگو کا موقع ہے
غرض بدستور اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ۔ اور فقر و فاقہ میں گذارہ کرتے رہے
آخر سنہ ۱۲۲۵ھ میں فوت ہوئے ۔ اور سو برس کی عمر پائی ۔ ناسخ نے تاریخ کہی

ع واویلا مرد شہ شاعران ۔

تصنیفات کی تفصیل یہ ہے کہ چھ **دیوان** غزلوں کے ہیں ۔ چند صفحہ
میں جن میں فارسی کے عمدہ متفرق شعروں پر اردو مصرعہ لگا کر مثلث اور
مربع کیا ہے ۔ اور یہ ایجاد انکا ہے ۔ رباعیاں ۔ مستزاد ۔ چند صفحہ
۔ چار قصیدے منقبت میں اور ایک نواب آصف الدولہ کی تعریف میں
چند مخمس اور ترجیع بند مناقب ہیں ۔ چند مخمس شکایت زمانہ میں جیسے
بعض اشخاص کی ہجو مطلوب ہے ۔ دود خشت ۔ ایک ہفت بند
ملا حسن کاشی کے طرز پر حضرت شاہ ولایت کے شان میں ہے ۔
بہت سی مثنویاں جنکی تفصیل عنقریب واضح ہوتی ہے ۔ تذکرہ
نکات الشعرا ہیں ۔ شاعران اردو کے خیال کا اب بہت کم بات سے
ایک مثنوی رسالہ مسمی بہ فیض میر ۔ مصحفی اپنے تذکرہ فارسی میں لکھتے ہیں
دعوئ شعر فارسی ندارد مگر فارسیش ہم کم از ریختہ نیست مگفتم کہ سانے

سخن موقوف کردہ بودم زبانِ حال دو سرا راز سخن گفتہ تدوین کردم

[ہوئے غزلوں کے] معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب کو قصیدہ گوئی کا شوق نہ تھا۔ عمل بدلا لقصائد میں شکل

[دیوان پر] دیوان میں نہیں۔ غزلوں کے دیوان۔ اگرچہ رطب و یابس سے بھرے

ہوئے ہیں۔ مگر جو اُن میں انتخاب ہیں وہ فصاحت کے عالم میں انتخاب ہیں

اردو زبان کے جوہری قدیم سے تسلیم کرتے آئے ہیں۔ بہتر اور دو بہتر نشتر جو مشہور ہیں

یہی میر صاحب کا نشتر ہے۔ لیکن یہ بہتر کی رقم فرضی ہے۔ کیونکہ جب کوئی

تڑپتا ہوا شعر پڑھا جاتا ہے۔ تو ہر سخن شناس سے مبالغہ تعریف یہی سنا جاتا

کہ دیکھیے۔ یہ انہیں بہتر نشتروں میں سے ہے۔ انہوں نے زبان اور خیالات

میں جسقدر فصاحت اور صفائی پیدا کی ہے۔ اتنا ہی بلاغت کو کم کیا ہے

یہی سبب ہے کہ غزل اصول غزلیت کے لحاظ میں سودا سے بہتر ہے۔ اسکا صاف

اور سلجھا ہوا کلام اپنی سادگی میں ایک انداز دکھاتا ہے۔ اور فکر کو بجائے کاوش

کے لذت بخشتا ہے۔ اسواسطے خواص میں معزز۔ اور عوام میں ہر دل عزیز ہے

حقیقت میں۔ انداز میر سوز سے لیا۔ مگر انکے ہاں فقط باتیں ہی باتیں

تھیں۔ انہوں نے اس میں مضمون داخل کیا۔ اور گرمی زبان کو شائستہ

[قصائد کی کیفیت] کا رنگ بھی دیکر محفل کے قابل کیا۔

[ہے] جو بد مطالب کے وقت۔ مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان و شکوہ۔ بندش کی

چستی لوازمہ قصائد کا ہے۔ وہ طبیعت کی شگفتگی اور جوش و خروش کا محتاج

اسواسطے میر صاحب کے قصیدے کم ہیں اور اسقدر درجہ میں بھی کم ہے

انہوں نے

انھوں نے مطالب سخن پر روشن کر دیا ہے کہ قصیدہ اور غزل کے دونوں میدانوں
میں دن اور رات کا فرق ہے۔ اور اسی غزل میں آتش، سودا اور میر کے کلام کا
حال کھلتا ہے۔
اُمرا کی تعریف میں قصیدہ نہ لکھنے کا یہی سبب تھا کہ توکل و قناعت۔ انہیں
نمود کی خوشامد کی اجازت نہ دیتے تھے۔ یا خود پسندی اور خودسری جو انہیں اپنے
میں آپ عرفی کہتے دیتے تھے — وہ زبان سے کسی کی تعریف نکلنے نہ دیتے تھے دیتی تھی

چنانچہ کہتے ہیں اور کیا خوب کہتے ہیں

مجھکو دماغِ وصفِ گل و یاسمن نہیں — میں جوں نسیم باد فروشِ چمن نہیں
گل چاک کے ہیں میر کے دیوان سا جواب — مدت ہوئی کہ ساں و غریب الوطن نہیں

چنانچہ مخمس شکایت زمانہ میں بطور شہر آشوب کے کہے ہیں اور انہیں بعض اشخاص کے نام بھی لکھے ہیں نام بھی لکھے ہیں
مگر ایسے کمزور کہے ہیں کہ گویا کچھ نہیں ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ قسام ازل نے ان کے دسترخوان
سے مدح اور قدح کے دو پیالے اٹھا کر سودا کے ہاں دھر دیئے ہیں۔ واسوخت
دو ہیں اور کچھ شک نہیں کہ لاجواب ہیں۔ اہل تحقیق نے فغانی کو وحشی کو
فارسی میں اور اردو میں انہیں واسوخت کا موجد تسلیم کیا ہے۔
سینکڑوں شاعروں نے واسوخت کہے لیکن خاص خاص محاوروں سے قطع
نظر کریں تو آج تک اس کوچہ میں میر صاحب کے خیالات و انداز بیان کا جواب نہیں